طلوعِ اشک

محسن نقوی

محسن طلوعِ اشک دلیلِ سحر بھی ہے
شب کٹ گئی چراغ بجھا دینا چاہیے

ترتیب

غزلیں ' نظمیں

انتساب!

تُو غزل اوڑھ کے نکلے کہ دھنک اوٹ چُھپے؟
لوگ جس روپ میں دیکھیں، تجھے پہچانتے ہیں

یار تو یار ہیں، اغیار بھی اب محفل میں
مَیں ترا ذکر نہ چھیڑوں تو بُرا مانتے ہیں

کتنے لہجوں کے غلافوں میں چھپاؤں تُجھ کو؟
شہر والے مِرا ''موضوعِ سخن'' جانتے ہیں

مُجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ مَیں نے پہلا شعر کب کہا تھا۔ (یہ بہت پہلے کی بات ہے) مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے پہلا ''سچ'' کب بولا تھا؟ (یہ بھی شاید بہت پرانا قصّہ ہے) پہلا شعر۔ اور پہلا سچ۔ کون یاد رکھتا ہے؟۔ اور اتنی دُور پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اُدھر کون سی روشنی ہے؟ گھپ اندھیرے کی ریت پر ہانپتے ہوئے چند بے وارث لمحے۔ پچھتاوے کی زد میں جانے کب اور کہاں کھو گئے۔؟

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ کُچھ بھی تو یاد نہیں

''ماضی'' بھی کتنا بخیل ہے۔ کبھی کبھی تو حافظے کی غُربت کو نچوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اور پھر اندھے کنوئیں کی طرح کُچھ بھی تو نہیں اُگلتا۔ اپنے اندر جھانکنے والوں سے پوری بینائی وصول کرتا ہے بیتے دِنوں کے اُس گھُپ اندھیرے میں بھی کیا کچھ تھا۔؟

میرا کچا مکان (جس کی چھت کی کڑیوں سے میری سانسیں اٹکی ہوئی تھیں اُس مکان میں جلتا ہوا مٹی کا ''دیا''۔ جس کی پھیکی روشنی نے مجھے لفظوں کے باطن میں اُترنے کا حوصلہ بخشا۔ گم صُم گلیوں میں کھیلتی ہوئی آوارہ دُھوپ۔ جس نے مجھے اُداس راتوں کے پُر ہَول سناّٹے سے اُلجھنے کا سلیقہ سکھایا۔ مَیلی دیواروں پھسلتی ہوئی چاندنی۔ جو رائیگاں ہونے کی بجائے میرے خوابوں کی بے آواز بستی کا اثاثہ بن گئی۔ دُھول میں لپٹی ہوئی بے خوف ہَوا جو میرے مسلسل سفر کی اکیلی گواہی بن کر مجھے دِلاسہ دیتی رہی۔ ناہموار آنگن میں ناچتی لُو سے جُھلستے چہروں کی مشقّت جس نے مجھے محرومیوں سے سمجھوتے کا انداز مستعار دیا۔ خشک ہونٹوں پر جمی ہوئی مسکراہٹ۔ جس نے مصائب و آلام کی بارش میں مجھے زندہ رہنے کا اعتماد عطا کیا۔ سہمی صُبحیں۔ گونگی دوپہریں۔ بہری شامیں اور اندھی راتیں۔ کتنی کہانیوں

کو بُنتے بُنتے راکھ ہو گئیں۔ اور ان کہانیوں کا کوئی ایک ریزہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ میرا سب کچھ میرے ماضی کے پاس گروی ہے۔

اِس ''سب کچھ'' میں میرا ہنستا کھیلتا' پہیلیاں بوجھتا اور شرارتیں سوچتا بچپن بھی شامل ہے جِسے اُس کے کِھلونوں سمیت میرے ماضی نے میری دسترس سے دُور دفنا کر۔ اُس کے نقوش کُھرچ ڈالے ہیں۔

ماضی کو کون سمجھائے کہ بچپن تو ہوتا ہی یاد کرنے کے لیے ہے۔ مگر میرا بچپن؟

کِسی دیوار کی اوٹ جلتے دہکتے تندور سے باہر جھانکتے شُعلوں سے اُڑتی چنگاریوں کی طرح۔ جیسے فضا میں بکھر کر کہیں بُجھ گیا ہے۔ دُور بہت دُور فضا میں تحلیل ہوتے ہوئے دُھویں کے اُس پار کتنی شفیق آنکھیں کتنے صبیح چہروں سے پھُوٹتی ہوئی دُعاوں کی کُہر اور کتنی نیک رُوحوں کے قُرب کی پاکیزہ خوشبُو آج بھی میرے تپتے تپکتے دِل کی لَو دیتی رگوں میں برفیلے لمس کی شبنم انڈیلتی محسوس ہوتی ہے۔

اور اب کیا کیجئے۔ کہ اب تو آتے جاتے موسموں کا سبھاؤ صرف سوچوں کے بہاؤ پر منحصر ہے معصُوم جذبوں کا بھولپن اب فقط شکستہ قلم کے شہ رگ سے ٹپکتے ہوئے لہو کے بے ترتیب قطروں میں کبھی کبھی اپنا دُھندلا سا عکس دیکھ لیتا ہے۔ اور رائیگاں جاگتی آنکھیں صِرف تنہائی کی لوریوں سے بہل کر سو جاتی ہیں یا کہیں کھو جاتی ہیں۔

کُہرام مچاتی سانسوں کے اس جاں گداز اور آبلہ نواز سفر میں کیا کیا لوگ اپنا اپنا روگ دل میں لیے دُھول اُڑاتے سناّٹے کا رِزق ہوئے۔ کیسی کیسی رنگ رچاتی محفلیں اپنے توانا ہنگاموں سمیت پلک جھپکتے آنکھ سے اوجھل ہو گئیں۔ کیا کیا کُندن چہرے اب اپنی پہچان کا حوالہ مجھ سے طلب کرتے ہیں۔

جیسے مَیں ان دنوں بے وارث لمحوں کے مقتل سے گذر رہا ہوں۔ لمحوں کا مقتل جس میں شامِ غریباں آہستہ آہستہ اُتر رہی ہے۔

لمحوں کے اِس مقتل میں میری مسافت ختم ہوتی ہے نہ شامِ غریباں کا دُھواں سرد پڑتا ہے۔ میرے پاؤں میں آبلے بندھے ہوئے ہیں۔ جسم بارشِ سنگ ملامت سے داغ داغ اور ہونٹ مُسلسل مصروفِ گفتگو۔ مگر کِس سے؟ شاید رفتگاں کا راستہ بتاتی ہوئی دُھول سے یا اپنے تعاقب میں آنے والے اُن رہروؤں کی آہٹوں سے؟ جو سفر کے اگلے موڑ پر مسلّط سناّٹے سے بے خبر ہیں۔ سناّٹا۔ جو کبھی دِل والوں کی بستی پر شبخُوں مار کر ساری سوچیں تمام جذبے اور کچّے خواب تک نگل لیتا ہے۔

میرا قبیلہ میرے کرب سے نا آشنا ہے۔ میرے ساتھ جن ہجر والوں نے سفر آغاز کیا تھا وہ یا تو راستے کی گرد اوڑھ کر سو چکے ہیں' یا مجھ سے اوجھل اپنی اپنی خندقیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ اور مَیں کل کی طرح آج بھی ''اکیلا'' ہوں۔

میرے اردگرد خراشوں سے اَٹے ہوئے کچھ اجنبی چہروں کے کٹے پھٹے خدوخال ہیں۔ بھُوک سے نڈھال بے نطق ولب اُدھوری سوچوں کے پنجر۔ ریزہ ریزہ خوابوں کی چبھتی ہوئی کرچیاں۔ محرومیوں کے بوجھ تلے رینگتی خواہشوں کی ٹیڑھی میڑھی قطاریں۔ دَم توڑتی محبّتوں کی بے ترتیب ہچکیاں۔ پابُریدہ حسرتیں۔ سَر بہ زانُو واہمے۔ اور بدن دَریدہ اندیشے۔ ایسے اُجاڑ سفر میں کون میرے دُکھ بانٹنے کو میرے

ساتھ چلے۔؟ یہاں تو ہوَا کے سہمے ہوئے جھونکے بھی دَبے پاؤں اُترتے اور چُپ چاپ گذرتے ہیں۔ یہاں کون میرے مجروح جذبوں پر دلاسوں کے ''پھاہے'' رکھے؟ کِس میں اتنا حوصلہ کہ میری روداد سُنے؟ کوئی نہیں۔ سوائے میری سخت جان تنہائی کے۔ جو میری خالی ہتھیلیوں پر قسمت کی لکیر کی طرح ثبت ہے۔ میرے رتجگوں کی غمگسار اور میری تھکن سے چُور آنکھوں میں نیند کی طرح بھر گئی ہے۔

سنگلاخ تنہائی کے اس بنجر بن میں دہکتے مہکتے جذبوں کے گُلاب اُگانا اور اُنہیں بے ربط آنسوؤں سے شاداب رکھنا میرا منصب بھی ہے اور میرا فن بھی۔ بس اِسی دُھن میں سُکوت کے ہولناک صحرا میں لمحہ لمحہ سوچوں کی بستیاں بسا کر اُن میں لفظوں کے رنگ رنگ چراغ روشن کرتا ہوں جانے کب سے جانے کب تک؟

ہوَا مجھ سے برہم، سنّاٹا میرے تعاقب میں، حوادث مجھ سے دست و گریباں، صُبحیں مُجھ سے گریزاں اور شامیں، میری آنکھوں پر اندھیرا ''باندھنے'' کے لیے مضطرب۔ مگر مَیں (مسافت نصیب، سفر مزاج)۔ ''گزشتہ'' کی راکھ پر ''آئیندہ'' کی دیوار اُٹھا کر اُس کی منڈیر پر اپنی آنکھیں جلا رہا ہوں تاکہ میرے بعد آنے والوں کی تھکن لمحہ بھر کو سستا سکے۔

مَیں۔ تلخیاں بانٹتی اور تنہائیاں چھڑکتی ہوئی زندگی سے قطرہ قطرہ ''سچ'' کشید کرتا اور پھر اِس روشن ''سچ'' کی دمکتی ہوئی پیشانی سے پھُوٹتی شعاعوں کے ریشم سے بُنے ہوئے خیالوں کی رِدَا پر ''شاعری'' کاڑھتا ہوں۔

شعر کہنا میرے لیے نہ تو فارغ وقت کا مشغلہ ہے اور نہ ہی ''خود نمائی'' کے شوق کی تکمیل کا ذریعہ۔ بلکہ اپنے جذبات و محسوسات کے اظہار کے لیے مجھے ''شاعری'' سے بہتر اور موثر پیرایہ ملتا ہی نہیں۔ میرے لاشعُور کی تہہ میں بکھرے ہوئے تجربے اور مشاہدے حرف حرف اور نقطہ نُقطہ شعُور کی پلکوں سے حواس کے آئینہ خانہ میں اُترتے اور ''شعر'' کی صُورت میں بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی میرا قلم اور کبھی موجِ صَدا کا ''زیروبم'' اُنہیں امانت کے طور پر بصارتوں، بصیرتوں اور سماعتوں تک پہنچاتا ہے کیا جانے کب سے میری فگار اُنگلیاں کائنات کے خدوخال کو ذات کے شیشے میں سمیٹنے کا قرض ادا کر رہی ہیں۔ اور میرا ''خونچکاں خامہ'' اپنے عہد کے انسان کا کرب کُرید کر اُس میں پوشیدہ خواہشوں اور حسرتوں کو کاغذی پیرہن پر سجانے میں مصروف ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ فن کے صحرا میں اَب تک مَیں نے کِتنا سفر طے کیا ہے؟ مَیں پیچھے مُڑ کر دیکھنے کا عادی نہیں ہوں۔ (جیسے پلٹ کر دیکھنے سے مَیں ''پتھر'' ہو جاؤں گا)۔

مَیں قدم قدم نئی جہت کی تلاش میں سرگرداں ہوں، (ورنہ کی بجائے) کہ ایک ہی سمتَ میں ایک ہی انداز سے چلتے رہنے کی یکسانیت اور ایک جیسی رفتار نہ صرف سفر کی کشش کو چاٹ لیتی ہے بلکہ حصولِ منزل کا اعتماد بھی چکنا چُور ہو کر رہ جاتا ہے۔

میرے سفر کی ڈور کا دوسرا سِرا میری سانس سے بندھا ہوُا ہے میں لمحہ بھر کو رُک گیا تو یہ ڈور ٹوٹ جائے گی۔

کسی بھی حسّاس اور سنجیدہ فنکار کے لیے مشکل ترین مرحلہ اُس کے اپنے عہد کے تقاضوں کا ادراک اور ان تقاضوں کے مطابق موضوع کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ جو فنکار اپنے عہد سے بے خبر رہ کر تخلیق کی مشقت کرتا ہے وہ خود کلامی کی بھوُل بھلّیوں میں بھٹک کر یا

تو رجعت پسندی کے مرض میں مُبتلا ہو جاتا ہے یا تشکیک کی زد میں ابہام کا شکار ہو کر فکری اِنتشار کے برزخ کی ''بے سمتی'' میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ باتیں کرنا اس لیے بھی ضروری ہیں کہ

عصری جبر، سماجی گھٹن، سیاسی حبس اور طبقاتی تضاد کی دَلدَل میں دھنسے ہوئے جِس معاشرے میں مجھے جذبوں کے اظہار کا اِذن مِلا ہے وہ بذاتِ خود تشکیک وابہام اور سُکوت وتحیرّ کی سیاہ چادر اوڑھ کر سانس روکے ہوئے زندگی کی ساعتیں گِن رہا ہے۔ عدل و انصاف کے مقابلے میں ظُلم اپنے پر پھیلائے دم توڑتے اِنسان کی ہچکیاں نِگل رہا ہے۔ رستے مقتل بن گئے ہیں چوراہوں سے بارُود اُگ رہا ہے، بازاروں میں درندگی برہنہ رقص رَچا رہی ہے، ''سچ'' سرِعام مصلوُب اور جھوٹ بَرملا مسندآراء ہے جُرم رواج بن گیا ہے۔ غارت گری روایت میں شامل ہو رہی ہے، دہشت گردی سے شہر سہمے ہوئے، وحشت صحراؤں پر مسلّط، لہوُ کے رشتے کچّے دھاگوں کی طرح ٹوٹ رہے ہیں۔

یوں لگتا ہے جیسے ظلم وستم کی سیاہ رات نے سوُرج کو چَبا ڈالا ہے۔ دُکھ درد اور کَرب کی اس مُسلسل رات، بے یقینی اور مایوسی کی دُھول سے اَٹی ہوئی رات میں میری شاعری ''طلُوعِ اشک'' سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

''طلُوعِ اشک'' کی شاعری اپنے عہد میں بڑھتی ہوئی نفرتوں کے خلاف انسانی سانسوں کے ریشم سے بُنے ہوئے اُن نازک جذبوں اور دائمی رشتوں کا ایک دھیما سا احتجاج ہے جن کی پہچان کا واحد حوالہ محبت ہے۔

''محبت'' جو کدورتوں کی آگ میں جلتے جھُلستے جنگلوں کے اُس پار زیتوُن کی وہ شاخ ہے جس کی خوُشبو کا دوسرا نام ''امن'' ہے۔

''طلُوعِ اشک'' میں نہ تو آپ کو عملی جدوجہد سے محروم کوئی ''دعویٰ'' نظر آئے گا۔ اور نہ ہی بے مقصد ''ہنگامہ آرائی''۔

کیونکہ اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے ظلم، پھیلی ہوئی نفرت اور افراتفری کے باوجود مَیں ابھی تک اِنسانی رشتوں کی اہمیت، رُوح کی گہرائیوں میں پھیلتے پھُولتے جذبوں کی توانائی، دائمی اَمن کی عالمگیر کشش، ''سچ'' کی فتحمندی اور ادراک وآگہی پر ''محبت'' کے تسلُط سے نہ تو مایوُس ہوُا ہوں اور نہ ہی منحرف۔

مجھے یقین ہے کہ جب تک کائنات میں اِنسان کا وجوُد باقی ہے۔ محبت اپنے توانا جذبوں کی صداقت سمیت باقی رہے گی۔ میں نے محبت کو اپنے احساس، ادراک اور آگہی کی اساس بنایا ہے۔ اِسے دُھوپ دُھوپ سمیٹا ہے اور پھر اپنے ''اشعار'' میں رنگ رنگ بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سب کچھ میرا فن بھی ہے اور متاعِ فن بھی۔

جہاں تک اپنے فن کے قد وقامت کی ''بے محل'' نمود ونمائش کا تعلق ہے مَیں ہمیشہ اس سے اجتناب کرتا ہوں، نہ ہی ''خود ستائی'' کی بوسیدہ قبا اوڑھ کر ''دوسروں'' کو اپنی طرف متوجہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔

آخر ''سستی شہرت'' کے لیے اپنی قیمتی ''اَنا'' کو چھلنی کرنے کی ضرورت کیا اور شوق کیوں؟ کہ دُنیا میں جو ہے اُسے اپنے ''اثبات'' کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو''

نہیں''ہے اُس کے ''ہونے'' پر اصرار بے معنی۔ خیر یہ الگ بحث ہے۔

مجھے اپنے تخلیقی سفر کے آغاز سے اب تک کیسے کیسے صبر آزما مراحل سے گذرنا پڑا؟ کس جان لیوا کرب کی شدّت میں سانس لینا پڑا؟ کیسی کیسی چوٹ کھا کر مُسکرانا پڑا؟ یہ کہانی دُہرانے کا وقت ہے نہ فرصت۔ (پھر سہی)

ابھی آپ جلدی میں ہیں۔ اور مجھے بھی اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ میری آنکھیں اندھیروں کا تسلّط قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ میں اندھی رات کے جبر کے خلاف کِسی ایک کرن کِسی ایک چنگاری کِسی ایک آنسو کی طلب میں لمحو کا مقتل جھیل رہا ہوں۔ اور اپنے گرد بکھری ہوئی دست و پابُریدہ خواہشوں کی پرُسش میں مصروف بھی۔ اندھی رات کے مسلسل جبر کے خلاف کوئی جگنو، کرن، چنگاری یا کوئی ایک آنسو مجھے کچھ دیر اور جینے کا حوصلہ دے سکتا ہے۔ مَیں کچھ اور جاگ سکتا ہوں کہ مسلسل جاگتے رہنے کا اعزاز یہ کسی زندہ، روشن اور دہکتے ہوئے سورج کی صورت میں نہ سہی ہلکی روشنی کی علامت کے طور پر ہی میری آنکھوں کو صدیوں تک کے لیے اُجلے خوابوں کی دھنک میں مست اور مگن رکھ سکتا ہے۔ اگر آپ اندھی رات کے جبر کے خلاف میرے ساتھ محبت اور امن کی روشنی بُن سکتے ہیں تو اپنی آنکھیں میرے لفظوں میں اُنڈیل دیں کہ یہی میرے لیے روشنی کا استعارہ بن جائیں۔ ورنہ میری تنہائی میرے بغیر اُداس ہوگی۔

محسن نقوی

جمعرات ۲۸ مئی ۱۹۹۲ لاہور

☆

تَر ہوئے خوں میں کبھی خاک پَہن کر آئے
ہم ہمیشہ نئی پوشاک پَہن کر آئے

اِک عجب رنگ سے نکلا وہ سرِ راہ کہ لوگ
جِسم پر دیدۂ بے باک پَہن کر آئے

ہم نے صدیوں کی ہتھیلی پر رکھی ہیں آنکھیں!
کوئی لمحہ ترا اِدراک پَہن کر آئے!!

سانحہ کون سا گزرا ہے صَبا سے پوچھو
چند جھونکے خس و خاشاک پَہن کر آئے

اشکِ شہرِ شبِ غم اپنی دُعا ہے کہ کبھی
مثلِ خورشید تُو افلاک پَہن کر آئے

زخم کو ضِد تھی مسیحائی سے اَب کے ورنہ
حرفِ مَرہم کئی چالاک پَہن کر آئے

آج ملنا تھا اُسے زخم چھُپا کر محسنؔ
ہم مگر جامۂ صد چاک پَہن کر آئے

☆

اشک اپنا کہ تمہارا، نہیں دیکھا جاتا
اَبر کی زد میں ستارا، نہیں دیکھا جاتا

اپنی شہ رگ کا لہو تَن میں رواں ہے جب تک
زیرِ خنجر کوئی پیارا نہیں دیکھا جاتا

موجِ در موج اُلجھنے کی ہوس، بے معنی!
ڈوبنا ہو تو سہارا نہیں دیکھا جاتا

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سُورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا

آگ کی ضِد پہ نہ جا، پھر سے بھڑک سکتی ہے
راکھ کی تہہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

زخم آنکھوں کے بھی سہتے تھے کبھی دل والے
اب تو ابرو کا اشارہ نہیں دیکھا جاتا

کیا قیامت ہے کہ دِل جس کا نگر ہے محسنؔ
دل پہ اُس کا بھی اجارہ نہیں دیکھا جاتا

☆

اب اے مرے اِحساسِ جُنوں، کیا مجھے دینا؟
دریا اُسے بخشا ہے تو صحرا مجھے دینا

تم اپنا مکاں جب کرو تقسیم تو یارو!
گرتی ہوئی دیوار کا سایہ مجھے دینا!

جب وقت کی مُرجھائی ہوئی شاخ سنبھالو
اس شاخ سے ٹوٹا ہوا لمحہ مجھے دینا

تم میرا بدن اوڑھ کے پھرتے رہو۔ لیکن
ممکن ہو تو اِک دن مِرا چہرہ مجھے دینا

چھو جائے ہوَا جِس سے تو خوشبو تِری آئے
جاتے ہوئے اِک زخم تو ایسا مجھے دینا

شب بھر کی مسافت ہے گواہی کی طلبگار
اے صبحِ سفر، اپنا ستارہ مجھے دینا

اِک درد کا میلہ کہ لگا ہے دِل و جاں میں
اِک رُوح کی آواز کہ ''رستہ مجھے دینا''

اِک تازہ غزل اذنِ سخن مانگ رہی ہے
تم اپنا مہکتا ہوا لہجہ مجھے دینا!

وہ مُجھ سے کہیں بڑھ کے مصیبت میں تھا محسنؔ
رہ رہ کے مگر اُس کا دِلاسہ مجھے دینا

☆

خُمارِ موسمِ خوشبو حدِ چمن میں کھُلا
مِری غزل کا خزانہ ترے بدن میں کھُلا

تم اُس کا حُسن کبھی اُس کی بزم میں دیکھو
کہ ماہتاب سدا شب کے پیرہن میں کھُلا

عجب نشہ تھا مگر اُس کی بخششِ لب میں
کہ یوں تو ہم سے بھی کیا کیا نہ وہ سخن میں کھُلا

نہ پوچھ پہلی ملاقات میں مزاج اُس کا
وہ رنگ رنگ میں سِمٹا، کِرن کِرن میں کھُلا

بدن کی چاپ، نِگہ کی زباں بھی ہوتی ہے
یہ بھید ہم پہ مگر اُس کی انجمن میں کھُلا

کہ جیسے اَبر ہَوا کی گِرہ سے کھُل جائے
سفر کی شام، مِرا مہرباں تھکن میں کھُلا

کہوں میں کس سے نشانی تھی کس مسیحا کی؟

وہ ایک زخم کہ محسؔن مِرے کفن میں کھِلا

☆

رشتۂ تشنہ لبی وقت سے جوڑا جائے
لمحے لمحے کی رگِ جاں کو نچوڑا جائے

لُطف تو جب ہے سفر کا کہ مِرے ہمسفرو!
اپنے سائے کو بھی رستے میں نہ چھوڑا جائے

دل تجھے بھُولنا چاہے بھی تو مشکل یہ ہے
کس طرح سانس کی زنجیر کو توڑا جائے؟

شہرِ یاراں نہ سہی دشت و بیاباں ہی سہی
سیلِ وحشت کو کسی سمت تو موڑا جائے

منصب شَوق سے اُلجھی ہے سِناں کی خواہش
سر کو سنگِ درِ جاناں پہ نہ پھوڑا جائے

وہ پگھلتا ہے کہاں ایک غزل محسؔن
ایک تیشے سے تو کُہسار نہ توڑا جائے

☆

رات ہمارا غم شناس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا
دل زدگاں کے آس پاس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

سنگدل و برہنہ تن بانجھ رُتوں کی بھیڑ میں
ایک خیالِ خوش لباس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

صاحبِ حرفِ التماس تھے وہ، مگر وہ ہم نہ تھے
واقفِ کربِ التماس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

شہر کی ساری تہمتیں جس کو نہ رام کر سکیں
خوف کی رُت میں بے ہراس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

شوق کی رہگزار میں حاصلِ شام جستجُو!
ایک یقیں تما قیاس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

محفلِ دوستاں میں بھی روشنیوں کے درمیاں!
صرف مِرے لیے اُداس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

محسنؔ بے نوا کے بعد، ماتمیانِ شہر میں!
بے سرو برگ و بے حواس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

☆

زندگی، لوگ جسے مرہمِ غم جانتے ہیں
جس طرح ہم نے گزاری ہے وہ ہم جانتے ہیں

درد کچھ اور عطا کر کہ ترے درد نواز
یہ سخاوت ترے معیار سے کم جانتے ہیں

سر برہنہ چلے آئے ہیں کہ پتھر برسیں
ہم ترے شہر کا اندازِ کرم جانتے ہیں!!

شدتِ غم کا یہ عالم ہے شبِ ہجر کہ ہم
ہر ستارے کو ترا دیدۂ نم جانتے ہیں!

ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبطِ جنوں کی رُت میں
حرفِ شیریں کو بھی اب قطرۂ سم جانتے ہیں

ہم ایسے لوگ بہت ہیں۔۔۔

یہ راکھ راکھ رُتیں اپنی رات کی قسمت
تم اپنی نیند بچھاؤ، تم اپنے خواب چُنو
بکھرتی ڈوبتی نبضوں پہ دھیان کیا دینا
تم اپنے دِل میں دھڑکتے ہوئے حُروف سنو

تمھارے شہر کی گلیوں میں سَیلِ رنگ بخیر
تمھارے نقشِ قدم پھول پھول کھلتے رہیں
وہ رہگزر، جہاں تم لمحہ بھر ٹھہر کے چلو
وہاں پہ اَبر جھکیں، آسمان ملتے رہیں

نہیں ضرور کہ ہر اجنبی کی بات سُنو!
ہر اک صدا پہ دھڑکنا بھی دِل کا فرض نہیں
سُکوتِ حلقئہ زنجیرِ در بھی کیوں ٹوٹے؟
صَبا کا ساتھ نبھانا جنوں پہ قرض نہیں!

ہم ایسے لوگ بہت ہیں جو سوچتے ہی نہیں
کہ عمر کیسے کٹی، کس کیساتھ بیت گئی؟
ہماری تشنہ لبی کا مزاج کیا جانے؟
کہ فصلِ بخششِ موجِ فرات بیت گئی!
یہ ایک پَل تھا جسے تم نے نوچ ڈالا ہے
وہ اِک صَدی تھی جو بے التفات بیت گئی
ہماری آنکھ لہو ہے، تمھیں خبر ہوگی
چراغ خود سے بجھا ہے کہ رات بیت گئی؟

☆

مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا

رُوٹھا ہوا تھا، ہنس تو پڑا مجھ کو دیکھ کر
مجھ کو تو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ
دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

لِپٹا ہوُا ہو کُہر میں جیسے خزاں کا چاند
مَیلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

ریشم پہن کے بھی میری قیمت نہ بڑھ سکی
کھدر بھی اُس کے جسم پہ مہنگا بہت لگا

محسنؔ جب آئینے پہ مِری سانس جَم گئی
مجھ کو خود اپنا عکس بھی دُھندلا بہت لگا

☆

عجیب خوف مسلّط تھا کل حَویلی پر
ہَوا چراغ جلاتی رہی ہتھیلی پر

سُنے گا کون مگر احتجاج خوشبو کا؟
کہ سانپ، زہر چھڑکتا رہا چنبیلی پر

شبِ فراق' میری آنکھ کو تھکن سے بچا'
کہ نیند وار نہ کر دے تیری سہیلی پر

وہ بے وفا تھا تو پھر اتنا مہرباں کیوں تھا؟
بچھڑ کے اُس سے مَیں سوچوں اِسی پہیلی پر

جَلا نہ گھر کا اندھیرا' چراغ سے محسنؔ
سِتم نہ کر مری جاں' اپنے یار بیلی پر

☆

طلَب کو اَجر نہ دوں' فِکر رہگذر نہ کروں!
سفر میں اب کے ہوا کو بھی ہمسفر نہ کروں

اُبھرتے ڈوبتے سُورج سے توڑ لوں رشتہ
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سَحر نہ کروں

اَب اِس سے بڑھ کے بھلا کیا ہو اِحتیاطِ وفا
میں تیرے شہر سے گذروں' تجھے خبر نہ کروں!

یہ میرے درد کی دولت' مری متاعِ فراق
اِن آنسوؤں کی وضاحت میں عمر بھر نہ کروں!

اُجاڑ شب کی خلِش بن کے ''بَن'' میں کھو جاؤں
میں چاندنی کی طرح خود کو دَربدر نہ کروں!

وہ ایک پَل کو دکھائی تو دے کہیں محسنؔ
میں جاں گنوا کے بھی اُس پَل کو مختصر نہ کروں!

☆

شکل اُس کی تھی دلبروں جیسی
خُو تھی لیکن ستمگروں جیسی

اُس کے لب تھے سکوت کے دریا
اُس کی آنکھیں سخنوروں جیسی

میری پروازِ جاں میں حائل ہے
سانس ٹوٹے ہوئے پروں جیسی

دل کی بستی میں رونقیں ہیں مگر
چند اُجڑے ہوئے گھروں جیسی

کون دیکھے گا اب صلیبوں پر
صورتیں وہ پیمبروں جیسی!

میری دنیا کے بادشاہوں کی
عادتیں ہیں گداگروں جیسی

رُخ پہ صحرا ہیں پیاس کے محسنؔ
دل میں لہریں سمندروں جیسی

سالگرہ

زندگی ۔۔ تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا
جلتی بجھتی ہوئی شمعیں میں مہ و سال مرے
ڈھلتا سورج مرے ماضی کی لحد کا کتبہ
ریگِ صحرا کی لکیریں ہیں خد و خال مرے

چاند میرے تن مجروح پہ سنگِ اعزاز
دھوپ چھاؤں مرے صد چاک لبادے کا خراج
سب ستارے مری پوشاک کے پیوندِ نحیف
میرے آنسو میرا ورثہ مری آنکھوں کا مزاج

میرا چہرہ مرے مقتول ہُنر کی تاریخ
میری آنکھیں مری دُکھتی ہوئی راتوں کے چراغ
میرے ہونٹوں پہ مری پیاس کے نوحوں کا ہجوم
میرے سینے پہ درخشاں مری توہین کے داغ

آج کی شام٬ کہ ہر سال اِسی شام کے ساتھ
میری اُکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے
آسماں وقت کے آنچل کی دھنک بُنتا ہے
ساری دھرتی تَنِ عُریاں کی زرہ لگتی ہے

آج کی شام کہ ہر سال مرے زخم نواز
مسکراے ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں
کچھ مسیحا مری خاطر مرا دل رکھنے کو
خط میں جینے کی دُعا بھیج دیا کرتے ہیں

سالہا سال گزرنے پہ بھی اے دل زدگاں
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور ہیں لیکن
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے!

دل دھڑکتا ہے کہ جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں
شعلۂ کرب میں تحلیل نہ ہو جائے کہیں
جی لرزتا ہے کہ منظر کے اُدھورے پن کی
آج کی شام سے تکمیل نہ ہو جائے کہیں!

آؤ کچھ دیر کو ہم زخم شماری کر لیں
اور کچھ دیر میں ہر شمع پگھل جائے گی
آج کی بزم میں کھو جائیں٬ کہیں سو جائیں
آج کی شام بھی کچھ دیر میں ڈھل جائے گی

جلتی بجھتی ہوئی شمعوں کا بھروسا کیا ہے؟
زندگی، تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا

☆

جگنو، گُہر، چراغ، اُجالے تو دے گیا
وہ خود کو ڈھونڈنے کے حوالے تو دے گیا

اب اس سے بڑھ کے کیا ہو وراثت فقیر کی
بچّوں کی اپنی بھیک کے پیالے تو دے گیا

اَب میری سوچ سائے کی صورت ہے اُس کے گرد
میں بجھ کے اپنے چاند کو ہالے تو دے گیا

شاید کہ فصلِ سنگ زنی کچھ قریب ہے
وہ کھیلنے کو برف کے گالے تو دے گیا

اہلِ طلب پہ اُس کے لیے فرض ہے دُعا
خیرات میں وہ چند نوالے تو دے گیا

محسنؔ اُسے قبا کی ضرورت نہ تھی مگر
دُنیا کو روز و شب کے دوشالے تو دے گیا

☆

سانسوں کے اس ہُنر کو نہ آساں خیال کر
زندہ ہوں، ساعتوں کو میں صدیوں میں ڈھال کر

مالی نے آج کتنی دعائیں وصول کیں
کچھ پھول اِک فقیر کی جھولی میں ڈال کر

کل یومِ ہجر، زرد زمانوں کا یوم ہے
شب بھر نہ جاگ، مفت میں آنکھیں نہ لال کر

اے گردباد! لَوٹ کے آنا ہے پھر مجھے
رکھنا مِرے سفر کی اذیّت سنبھال کر

محراب میں دِیے کی طرح زندگی گزار
مُنہ زور آندھیوں میں نہ خود کو نڈھال کر

شاید کسی نے بُخلِ زمیں پر کیا ہے طنز
گہرے سمندروں سے جزیرے نکال کر

یہ نقدِ جاں کہ اِس کا لُٹانا تو سہل ہے
گر بَن پڑے تو اِس سے بھی مشکل سوال کر

محسؔن برہنہ سر چلی آئی ہے شامِ غم!
غُربت نہ دیکھ، اس پہ سِتاروں کی شال کر

☆

کچھ تو عہدِ خوں فشانی اور ہے!
کچھ مِری آنکھوں نے ٹھانی اور ہے!

وسعتِ صحرائے عالم سے اُدھر
دشتِ غم کی بیکرانی اور ہے

یا ادھوُری ہے گواہی عشق کی
یا پھر اُس کی بدگُمانی اور ہے

یوں بضد ہے آنکھ رونے پر ابھی
جیسے اس دریا میں پانی اور ہے

شعلۂ خورشیدِ محشر کی قَسم
اُس کا معیارِ جوانی ۔ اور ہے!

اِک وہ خُود ہے جھُٹپٹے کی چاندنی!
اِک دوپٹہ اُس پہ دھانی اور ہے!!

سب رُتیں دیکھی ہیں اس دل نے مگر
اَب کے موسم میں ِگرانی اور ہے

ڈوب جانے دو ستارا صُبح کا
اُس کے آنے کی نشانی اور ہے

داستاں ہے اور آنکھوں میں مگر
دِل میں پوشیدہ کہانی اور ہے!!

عشق میں محسنؔ کہاں کا جیتنا؟
ہارنے میں کامرانی اور ہے!!

تمھیں کس نے کہا تھا؟

تمھیں کس نے کہا تھا؟
دوپہر کے گرم سورج کی طرف دیکھو
اور اتنی دیر تک دیکھو!
کہ بینائی پگھل جائے!!

تمھیں کس نے کہا تھا؟
آسماں سے ٹوٹتی اندھی اُلجھتی بجلیوں سے
دوستی کر لو
اور اتنی دوستی کر لو
کہ گھر کا گھر ہی جل جائے!!

تمھیں کس نے کہا تھا؟
ایک انجانے سفر میں
اجنبی رہرو کے ہمرہ دُور تک جاؤ
اور اتنی دور تک جاؤ!
کہ وہ رستہ بدل جائے!

ابھی کہاں ہے وہ ساعت؟

ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ ہم دریدہ بدن
سِیہ لباس کے پرزے
سپردِ خاک کریں
جگر کے داغ اُجالیں لہو کے چھینٹوں سے
قبائے ضبط جدائی کو
خود سے چاک کریں
ابھی کہاں ہے وہ لمحہ
کہ جس کو اہلِ نظر
طلوعِ موسمِ گلرنگ کی نوید کہیں!
ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ جس کو ''عید'' کہیں!!

☆

خوشبو ہے، دھنک ہے، چاندنی ہے
وہ اچھے دِنوں کی شاعری ہے

بھیگے ہوئے پھُول حرف اُس کے
رِم جھم کی زباں میں بولتی ہے

ہاتوں میں تھکن ہے شام جیسی
لہجے میں سَحر کی تازگی ہے

یہ اُس کی صدا کا بھولپن ہے!
یا شمعِ سخن پگھل رہی ہے؟

چہرے یہ حیا کا روپ، جیسے
دریا میں شفق سی گھُل گئی ہے

آنکھوں میں گلاب کھِل رہے ہیں
کیا جانے وہ کب سے جاگتی ہے؟

برسا ہے خمار چاندنی کا!
یا اُس کی جبیں دَمک اُٹھی ہے؟

کیا جانے وہ کیسے مُسکرائی؟
ہیرے سے کرن سی چھَن پڑی ہے!

چہرے پہ بکھر کے زُلف اُس کی
سوُرج سے خراج مانگتی ہے

وہ محوِ خرام یوں ہے -- جیسے

اِک شاخ ہوا سے کھیلتی ہے

پَل بھر کو سَرک گیا جو آنچل
کلیوں کی طرح سِمٹ گئی ہے

پروا ہی نہیں اُسے کسی کی
اپنے سے وہ کتنی اجنبی ہے!

آئینہ ہی دیکھتا ہے اُس کو
آئینہ کہاں وہ دیکھتی ہے؟

وہ غنچہ دَہن ”سُکوت زادی“
کھلنے پہ بھی کم ہی بولتی ہے

میں اُس کے بغیر کچھ نہ سوچوں
شاید وہ یہ بات سوچتی ہے

مَیں اُس کی اَنا کا بانکپن ہوں
وہ میری غزل کی دلکشی ہے

میں گرم دِنوں کی لُو کا موسم
وہ سَرد رُتوں کی سادگی ہے

اے خَلوَتیانِ مہہ جبیناں!
وہ آپ ہی اپنی آگہی ہے!

اے مُشتریانِ حُسنِ عالَم
وہ دونوں جہاں سے قیمتی ہے

میں اُس کی رفاقتوں پہ نازاں
محسن وہ غرورِ دوستی ہے

سو بار میں اُس سے کھو گیا ہوں
ہنستی ہوئی پھر سے مِل گئی ہے

محسنؔ یہ نہ کھُل سکے گا مجھ پہ
وہ فن ہے کہ فن کی زندگی ہے!

☆

لگے نہ کیوں خود سے مجھ کو پیارا' کبھی سمندر کبھی ستارہ
مِری مسافت کا اِستعارہ' کبھی سمندر کبھی ستارہ

تِری مری قربتوں کا موسم بکھر کے سِمٹے' سمٹ کے بکھرے
اِسی لیے آنکھ میں اُتارا -- کبھی سمندر کبھی ستارہ

نیا نیا عشق کرنے والو' ہمیں سے اِس کا زیاں بھی پوچھو
بساطِ ہستی پہ ہم نے ہارا' کبھی سمندر کبھی ستارہ

تِرے لیے جاگنے کو مہکیں کبھی (گلستاں) کبھی چراغاں
مِرے لیے خواب کا اِشارہ -- کبھی سمندر کبھی ستارہ

وہ کہکشاں زاد و سَیلِ نکہت ہمارے ہمراہ چل پڑا تھا!
کہاں تھا ورنہ ہمیں گوارا -- کبھی سمندر کبھی ستارہ؟

مِرے بھٹکنے پہ جانِ محسنؔ یہ طنز کیسا کہ اِس جہاں میں
ہوئے ہیں بے سمت و بے کنارا -- کبھی سمندر کبھی ستارہ

☆

سخنوری کا جو محسن کبھی ارادہ کرو
کسی کی بخششِ لب سے بھی استفادہ کرو

اب اپنی تشنہ لبی سے کرو کشید لہُو
غرورِ ابرِ کرم اور بے لبادہ کرو

عدو کی تنگ دِلی کو جو مات دینا ہے
بدن کے زخم نہ دیکھو جبیں کشادہ کرو

جو دیکھنا ہو تمھیں اپنے خال و خد کی کشش
تو زیبِ تن کِسی رُت میں قبائے سادہ کرو

لکھا ہے کس نے لہُو سے یہ ریت پر محسنؔ
ستم کرو تو مِرے صبر سے زیادہ کرو

☆

ہجر کے شہر میں دھوپ اُتری، میں جاگ پڑا تو خواب ہوا
مِری سوچ خزاں کی شاخ بنی، ترا چہرہ اور گلاب ہوا

برفیلی رُت کی تیز ہوا کیوں جھیل میں کنکر پھینک گئی؟
اِک آنکھ کی نیند حرام ہوئی، اِک چاند کا عکس خراب ہوا

ترے ہجر میں ذہن پگھلتا تھا، ترے قُرب میں آنکھیں جلتی ہیں
تجھے کھونا ایک قیامت تھا ۔۔ ترا ملنا اور عذاب ہوا۔۔!

بھرے شہر میں ایک ہی چہرہ تھا، جسے آج بھی گلیاں ڈھونڈتی ہیں
کسی صبح اُسی کی دھوپ کِھلی، کسی رات وہی مہتاب ہوا

بڑی عمر کے بعد اِن آنکھوں میں کوئی اَبر اُترا تری یادوں کا
مِرے دل کی زمیں آباد ہوئی مرے غم کا نگر شاداب ہوا

کبھی وصل میں محسنؔ دل ٹوٹا کبھی ہجر کی رُت نے لاج رکھی
کسی جسم میں آنکھیں کھو بیٹھے کوئی چہرہ کُھلی کتاب ہوا

☆

نظّارۂ جمال میں شامل ہے آئینہ
دیکھے نہ کیوں کہ دِید کے قابل ہے آئینہ

اے شامِ قُرب اُس کو نظر چھُو تو لے مگر
مشکل یہ ہے کہ راہ میں حائل ہے آئینہ

پھر اہلِ دل کو ہے تری بخشش کا انتظار
پھر تیرے خدّ و خال کا سائل ہے آئینہ

اِک دن تو بن سنور کے مِری سانس میں اُتر
اِس ریت ریت سانس کا حاصل ہے آئینہ

اِک میں کہ تجھ کو دیکھنا چاہوں فلک تلک
اِک تُو کہ تیری دید کی منزل ہے آئینہ

پلکوں سے کر کشید' شعاعوں کے ذائقے
دریائے رنگ و نُور کا ساحل ہے آئینہ

محسنؔ میں کچھ تو آپ ہی ٹکڑے ہوا مگر
کچھ میری خواہشات کا قاتل ہے آئینہ

☆

ہوائے ہجر میں' جو کچھ تھا' اب کے خاک ہوا
کہ پیرہن تو گیا تھا' بدن بھی چاک ہوا

اب اُس سے ترکِ تعلّق کروں تو مر جاؤں

بدن سے رُوح کا اِس درجہ اشتراک ہوا

یہی کہ سب کی کمانیں ہمیں پہ ٹوٹی ہیں!
چلو حسابِ صفِ دوستاں تو پاک ہوا

پوچھ اپنی ظَرف پھر سے لَوٹنے کا عمل!
کہ میں پہاڑ تھا' سمٹا تو مُشتِ خاک ہوا

وہ بے سبب یوُنہی رُوٹھا ہے لمحہ بھر کے لیے
یہ سانحہ نہ سہی پھر بھی کربناک ہوُا

اُسی کے قُرب نے تقسیم کر دیا آخر!
وہ جس کا ہجر مجھے وجہِ انہماک ہوا

شدید وار نہ دشمن دلیر تھا محسنؔ
میں اپنی بے خبری سے مگر ہلاک ہوا

☆

آنکھ میں بے کراں ملال کی شام
دیکھنا' عشق کے زوال کی شام

میری قسمت ہے تیرے ہجر کا دن
میری حسرت ترے وصال کی شام

دہکی دہکی ترے جمال کی صُبح
مہکی مہکی مرے خیال کی شام

روپ صدیوں کی دوپہر پہ محیط
"اوڑھنی" ہے کہ ماہ وسال کی شام

پھر وہی دَر وہی صدا محسنؔ!

پھر وہی میں وہی سوال کی شام

اے مری بے سُہاگ تنہائی

اس سے پہلے کہ سوچ کا کُندن
شامِ غم کے اجاڑ صحرا میں!
جل بجھے بجھ کے راکھ ہو جائے
اس سے پہلے کہ چاہتوں کی یقیں
واہموں کے بھنور میں کھو جائے

اس سے پہلے کہ چاند کا جھومر!
درد کی جھیل میں اُتر جائے۔!
اور خواہش کی چاندنی کا غبار
وقت کی آنکھ میں بکھر جائے

اس سے پہلے کہ اپنے دل کی رگیں
ایک اِک کر کے ٹوٹتی جائیں
اور طنابیں گلاب خوابوں کی
اپنے ہاتھوں سے چھوٹتی جائیں

اس سے پہلے کہ گھیر لے مجھ کو
ہر طرف سے جلوزِ رُسوائی
قربتوں کے نشاں مِٹا ڈالے
ہجر کے زلزلوں کی انگڑائی

اے مِری بے سہاگ تنہائی!
مجھ سے پُرسہ لے اپنے پیاروں کا
بجھتے اشکوں کے اُن ستاروں کا
جو ہر اِک اجنبی کے رستے میں!

نُور کی چادریں بچھاتے تھے
جو کسی صبح زاد کی دُھن میں
رات بھر روشنی لٹاتے تھے!

اے مِری بے سہاگ تنہائی!
آمِرے پاس، مجھ سے پُرسہ لے
اُن گلابوں کا، اُن سحابوں کا
جس کی رُت میں جو برستے تھے
جن کے پل بھر کے لمس کی خاطر
موسموں کے بدن ترستے تھے

اے مِری بے سہاگ تنہائی!
اس سے پہلے کہ سانس تھک جائے
شوق ڈھونڈے نئی گزر گاہیں
اس سے پہلے کہ بے نشاں ٹھہریں
حسرتِ قرب کی سبھی راہیں
میری گردن میں ڈال دے باہیں!

جُز مرے کون تجھ کو چاہے گا؟
میں بھی تیری طرح اکیلا ہوں!
آنکھ میں تشنگی کا صحرا ہے!
دل میں پاتال کی سی گہرائی!
اور کیا ہو رَہِ شناسائی؟
اے مری بے سہاگ تنہائی!

☆

ہمارے بعد سفیرِ صبا ہے آخر کون؟
تلاشِ منزلِ جاناں میں ہے مُسافر کون؟

رہینِ خلوتِ شب، چاندنی سے پوچھ کبھی
کہ شہر شہر بھٹکتا ہے تیری خاطر کون؟

ہمیں عزیز تھی مقتل کی آبرو -- ورنہ
بھرے جہاں میں ہے اپنے لہُو کا تاجر کون؟

ہمیں نے شیخ کا پندارِ خود سَری توڑا
وگرنہ اُس کی نظر میں نہیں تھا کافر کون؟

سخنوری ہمیں وجہِ شرف نہیں محسنؔ
مگر ہمارے سوا شہر میں ہے شاعر کون؟

☆

کب سے تم نے اپنایا، اِس طرح کا ہو جانا!
شب کو جاگتے رہنا، دِن میں تھک کے سو جانا

شہر میں تو مجھ جیسی بے شمار آنکھیں ہیں
تم بھی خیر سے جاؤ، تم نہ اُن میں کھو جانا

عدل کی کٹہرے میں جُرم بول پڑتا ہے
داغ داغ دامن سے کچھ لہو تو دھو جانا

زہر اُگلتے سانپوں کی پھنکار تلے؟
ویرانوں میں دفن خزانے کیسے ہیں؟

جن کی چاک قمیضیں تیرے ہاتھ لگیں
خاک پہنتے وہ دیوانے کیسے ہیں؟

جن کے جھرمٹ میں شمعیں دم توڑ گئیں
وہ پیارے، پاگل، پروانے کیسے ہیں؟

محسنؔ ہم تو خیر خبر سے دَر گذرے
اپنے گھر کے لوگ نجانے کیسے ہیں؟

☆

سو بار اُجڑ کے پھر بَسا ہوں
جنگل ہوں مگر ہَرا بھرا ہوں

ہر شخص میں ڈھونڈھتا ہوں خود کو
شاید میں کسی میں کھو گیا ہوں۔۔!

اَب تیرا وصال ۔۔۔ رائیگاں ہے!
میں کب کا اُداس ہو چکا ہوں

اندھا ہوں، پکڑ لے ہاتھ میرا!
اے ہجر کی شب مَیں بے عصا ہوں

خوش ہُو اے بلندیوں کی خواہش
مَیں نوکِ سناں پہ سج گیا ہوں

دریا کو شکست دی ہے میں نے
مشکیزے میں پیاس بھر رہا ہوں

کرتا ہے قبول کون مجھ کو ۔۔۔؟
کٹتے ہوئے ہاتھ کی دُعا ہوں

سچ یہ ہے کہ اجنبی ہوں خود سے
کہنے کو میں سب سے آشنا ہوں

اُلجھا ہوں یہ سوچ کر ہَوا سے

میں شہر کا آخری دیا ہوں!

دن بھر کی تپش میں کون جھلسے!
میں شب کو بدن پہ اوڑھتا ہوں

محسنؔ مجھے خود پہ ناز کیسا؟
مَیں یوں بھی مثالِ نقشِ پا ہوں

قبیلے والو!

قبیلے والو!
تمھاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اُترے
تو دیکھ لینا!
تمھاری بستی کی کچی پگڈنڈیوں کو
پتھر نگل چکے ہیں
تمھارے چوپال،
سنگ بستہ حویلیوں میں بدل چکے ہیں
تمھارے اُجلے مکان
آہن مزاج زنداں میں ڈھل چکے ہیں
تمھارے کھلیان،
تیل پی کر اُگل رہے ہیں دُھویں کی فصلیں!
جہاں پہ اُگتے تھے پھول، کھلتی تھیں نکہتوں کی رُتیں ہمیشہ
وہاں پہ بارود ناچتا ہے، لہُو کی برسات ہو رہی ہے
سحر کی چادر بچھا کے منحوس رات
ننھے پیار تی رات سو رہی ہے!!
قبیلے والو!
تمھاری مہماں نوازیوں کی کہانیاں اب
فقط کتابوں میں رہ گئی ہیں!
محبتوں کے تمام جذبے
گہن لگے چاند کی طرح ماند پڑ چکے ہیں
تھکے ہوئے رہرووں کی آنکھوں میں

نیند کا نور بانٹتے پیڑ جھڑ چکے ہیں
رُتوں کے میلے اُجڑ چکے ہیں!!
کسی کی بارات میں ستارے
نہ مرنے والوں کے سوگ میں
آنکھ نَم۔۔۔کسی کی!
دل دھڑکتے ہیں آہٹوں پر
نہ انتظارِ وصالِ جاناں میں
جاگتی ہیں اُداس آنکھیں
نہ اضطرابِ شکستِ پیماں
نہ موسم چاکِ جَیب و داماں!
کسی دریچے پہ اب ٹھہرتی نہیں ہے
موجِ صبا کی دستک!
کوئی جلاتا نہیں اندھیروں کی صف میں
اپنی انا کی مشعل
کسی کے ماتھے پہ اب ابھرتی نہیں ہے
اُجلے دنوں، نئے موسموں کی
رخشندہ تر نگارش!
قدم قدم سج گئے ہیں مقتل
قدم قدم ہے لہُو کی بارش!!
تمھارے رشتوں کی۔۔۔
آبِ سر سے لکھی ہوئی مستقل عبارت
تمھاری تنہائیوں کی دیمک نے چاٹ لی ہے!
قبیلے والو!
تمھاری بستی کے اُس طرف
شہد کی ندی سے پَرے
بہت دُور۔۔۔دودھ کی نہر کے کناروں پہ
''موت'' منڈلا کے اپنے سوداگروں کے خیمے لگا رہی ہے!
قبیلے والو!
مجھے نہ جھٹلاؤ۔۔۔
میں نے بے دست و پا ہَوا سے یہی سُنا ہے
کہ آنے والا ہر ایک موسم قضا کا موسم
کہ آنے والی ہر ایک ساعت
فنا بہ لب ہے
کہ آنے والا ہر ایک لمحہ
اَجل بہ پا ہے

مجھے نہ جھٹلاؤ۔۔۔
اَب کے تازہ عذاب اُترے تو دیکھ لینا
قبیلے والو!
تمھاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اُترے
تو دیکھ لینا

☆

قدرِ جوہر ہے جو پندار سمیت
مجھ کو پرکھو مِرے معیار سمیت

روز مانگیں یہ دعا ۔۔۔ خانہ بدوش
گھر نہ اُجڑیں درودیوار سمیت

کتنی بنجر ہوئی فصلِ آواز ۔۔۔!
شہر چپ چاپ ہے بازار سمیت

کاش لوگوں کی طرح سُوئے چمن
ہم بھی جائیں کبھی دلدار سمیت

کون کرتا قدوقامت کا حساب؟
اک قیامت تھا وہ رفتار سمیت

بُجھ جائیں کہیں آنکھیں میری
یاد آ، مشعلِ رخسار سمیت

خاک اُڑاتی ہوئی صدیوں سے اُدھر
قافلے گم ہوئے سالار سمیت

جن کی ہیبت سے ہراساں لشکر!!
بے نشاں اب ہیں وہ تلوار سمیت

خط کشیدہ رہی جرأت جن کی!
سرکشیدہ ہیں وہی دار سمیت

ہوس درہم و دینار کی خیر
لوگ بکنے لگے کردار سمیت

میں کہ محسنؔ ہوں شہیدِ ناموس
دفن کرنا مجھے ---- دستار سمیت!!

☆

موسمِ کربِ انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصلِ یار بھی جھوٹ

جھوٹ ہے سب خزاں کا خمیازہ
عکسِ رنگِ رُخِ بہار بھی جھوٹ

موت، تیری طلب بھی لغزش لَب
زندگی، تیرا اعتبار بھی جھوٹ

وسعتِ داستانِ شوق، غلط
کوششِ حرفِ اختصار بھی جھوٹ

خلقتِ شہر مصلحت پیشہ
ورنہ فرمانِ شہر یار بھی جھوٹ

نارسائی کو راستے مشکل!
کور چشمی کو کوہسار بھی جھوٹ

دور سے پیاس کو سراب، چناب
اہلِ صحرا کو آبشار بھی جھوٹ

دسترس کا طلسم ہے ورنہ
ساعتِ جبر واختیار بھی جھوٹ

پیرہن خونِ دل میں تر کر لو
ورنہ دامانِ تار تار بھی جھوٹ

صرف اُس کا سفر ہے سچ محسنؔ ---!
میری رہ بھی مرا غبار بھی جھوٹ

☆

تَن پہ اوڑھے ہوئے صدیوں کا دُھواں شامِ فراق
دِل میں اُتری ہے عجب سوختہ جاں شامِ فراق

خواب کی راکھ سمیٹے گی' بکھر جائے گی!
صورتِ شعلۂ خورشید رُخاں' شامِ فراق

باعثِ رونقِ اربابِ جنوں --- ویرانی!
حاصلِ وحشتِ آشفتہ سراں شامِ فراق

تیرے میرے سبھی اقرار وہیں بکھرے تھے
سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے جہاں شامِ فراق

اپنے ماتھے پہ سجا لے تیرے رُخسار کا چاند!
اِتنی خوش بخت و فلک ناز کہاں شامِ فراق؟

ڈھلتے ڈھلتے بھی ستاروں کا لہو مانگتی ہے
میری بجھتی ہوئی آنکھوں میں رواں شامِ فراق

اب تو ملبوس بدل' کاکُلِ بے ربط سنوار!

بجھ گئیں شہر کی سب روشنیاں' شامِ فراق

کتنی صدیوں کی تھکن اس نے سمیٹی محسنؔ
یہ الگ بات کہ اب تک ہے جواں شامِ فراق

☆

دیکھ رہینِ احتیاط' یوں نہ ابھی سنبھل کے چل
صورتِ مَوجِ تند خُو' سمت بَدل بَدل کے چل

قریۂ جاں کے اُس طرف روشنیوں کی بھیڑ ہے
آج حدودِ ذات سے' چار قدم نِکل کے چل

دشتِ انا میں ہے تجھے' تیرگیوں کا سامنا!
ذہن سے برف چھیل دے دھوپ بدن پہ مَل کے چل

موج ہوا سے کر کشید' اور سفر کا حوصلہ
راہ کے خار خار کو پھول سمجھ' مسل کے چل

موسمِ بے قبا ٹھہر' وقتِ وداعِ شوق ہے
اوڑھ لے رات ہجر کی' درد کی لے میں ڈھل کے چل

نکتۂ رازِ دلنشیں کون زماں کہاں زمیں؟
تو بھی تو بے کنار ہو' تہہ سے کبھی اُبل کے چل

جاگ بھی محسنِؔ حزیں' زندگیوں کا بھید' پا
سانس کی ہر سراط پر ساتھ سدا اجل کے چل

☆

اِس دُھوپ میں یہ فیض بھی اب مرحمت نہ کر

مجھ پہ گزرتے اَبر کے سائے کی چھت نہ کر

اِس دل کو فتح کر کے گُزر جا ۔۔۔ کہ خیر ہو
آباد اِس زمیں پہ کوئی سلطنت نہ کر

غُربت میں ٹوٹنے کا ہُنر مت سِکھا مجھے
میں سنگ زاد ہوں مجھے شیشہ صفت نہ کر

اوقات بھُول جاؤں گا اِتنی اڑان سے
رہنے دے اب تو مجھ کو فلک مرتبت نہ کر

ناپیں گے کل مرے قد و قامت سے تجھ کو لوگ
اب اِتنی بے دلی سے تو میری بُنت نہ کر

اب دیکھ تیرے اپنے مقابل کھڑا ہوں میں
میں نے کہا نہ تھا کہ میری تربیت نہ کر

محسنؔ تو آبروئے قلم کا امین ہے
سوداگرانِ فن کی کبھی منقبت نہ کر

شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آ جائے

پھر سے کجلائی ہوئی شامِ شب افسردہ!
اپنے ہاتھوں میں لیے گُل شدہ شمعوں کی قطار
اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے صدیوں کا غُبار
اپنی پلکوں پہ لیے خاکِ رہِ لیل و نہار
میرے اُجڑے ہوئے آنگن میں اُتر آئی ہے

بال بکھرائے ہوئے شامِ شب افسردہ!
تن پہ اوڑھے ہوئے بے ربط خیالوں کا دھواں
زرد آنکھوں میں سمیٹے ہوئے فریاد و فغاں

مثلِ مجروح لباں، صورتِ آشفتہ سراں
مانگنے آئی ہے مدفون مہ و سال کی یاد
جن کی تقدیر نہ شہرت تھی نہ رُسوائی ہے

آج کی بات نہیں آج سے پہلے بھی یونہی
آتے جاتے ہوئے لمحوں کے بکھرتے پُرزے
جب ہَوا بُرد ہوئے، دل پہ قیامت ٹوٹی
آنکھ میں ٹوٹ کے چبھتے رہے اِک عُمر کے خواب
شامِ افسردہ کو دینا پڑا لمحوں کا حساب
اپنا حاصل تو وہی روز کی تنہائی ہے!

آج کچھ اور ہی عالم ہے پسِ قریۂ جاں
آج کچھ اور ہی منظر ہے سرِ سطحِ زماں
آج محرابِ دل و جاں میں کوئی عکس نہیں
حدّ امکاں پہ سرابوں کا سفر ختم ہوا
ازکراں تابہ کراں زرد خلاؤں کا گماں
آج خاکسترِ اُمیّد کی تہ یخ بستہ
شہرِ افسوس کی ہر ایک روش ویراں ہے
ٹوٹتے خواب نہ مدفون مہ و سال کی یاد
دل میں روشن کوئی چہرہ نہ خدوخال کی یاد!

دشتِ امکاں میں بس اِک نقشِ فنا لہرائے
بجھتی جاتی ہے رگِ جاں میں لہو کی گردش
آنکھ میں پھیلتے جاتے ہیں قضا کے سائے
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

اپنے اشکوں کی مدارات رہے یا نہ رہے
لب پہ پھر حرفِ مناجات رہے یا نہ رہے
آج کے بعد ملاقات رہے یا نہ رہے

ختم ہونے کو ہے تکرارِ لب افسردہ
اِس سے پہلے کہ ڈھلے شامِ شبِ افسردہ
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

☆

رات کی زلفیں بَرہم بَرہم درد کی لَو ہے مَدھم مَدّھم
میرے قصّے گلیوں گلیوں تیرا چرچا عالم عالم
یاقوتی ہونٹوں پر چمکیں اُس کی آنکھیں نیلم نیلم
چہرہ لال گلاب کا موسم بھیگی پلکیں شبنم شبنم
ایک جزا ہے جنت جنت ایک خطا ہے آدم آدم
ایک لہُو کے رنگ میں غلطاں مقتل مقتل، پرچم پرچم
ایک عذاب ہے بستی بستی ایک صدا ہے ماتم ماتم
ساری لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ساری آنکھیں پُرنم پُرنم
ہجر کے لمحے زخمی زخمی اُس کی یادیں مرہم مرہم
داد طلب اعجازِ عصمت عیسیٰ عیسیٰ مریم مریم
محسنؔ ہم اخبار میں گم ہیں
صفحہ صفحہ ۔۔۔۔کالم کالم

☆

سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھتا ہے!
زمیں پہ بھی وہ فلک کا مزاج رکھتا ہے

سنورنے والے سدا آئینے کو ڈھونڈھتے ہیں
بچھڑ کے بھی وہ مری احتیاج رکھتا ہے؟

ہم اُس کے حُسن کو تسخیر کر کے دیکھیں گے!
جبیں پہ کون شکن کا خراج رکھتا ہے

ترے بغیر یہاں کون زیرِ سایۂ لب
جراحتِ دل و جاں کا علاج رکھتا ہے؟

خفا سہی وہ، سخاوت سرشت جب بھی ملے!
بھرم انا کا، محبت کی لاج رکھتا ہے

صبا خرام، خزاں پیرہن، بہار بدن ۔۔!
وہ موسموں کا عجب امتزاج رکھتا ہے

چُرا کے آنکھ سے کچھ خواب رکھ لیے محسنؔ
کِسان جیسے بچا کر اناج رکھتا ہے

☆

وہ بچھڑ کر جو مِل گیا پھر سے
گُلِ اندیشہ کھِل گیا پھر سے!

اے رنگینِ جلوسِ لالہ رُخاں!
کچھ خبر لے کہ دِل گیا پھر سے

لے اُڑی پھر ہوا زمین سے اشک
رِشتۂ آب و گِل گیا پھر سے

ہجر کی زد میں پھر بدن اپنا
اِک مکاں تھا کہ ہِل گیا پھر سے

شکریہ اے ہوئے ضبطِ جنوں!
پیرہن جاں کا سِل گیا پھر سے

پھر سے ہم اس پہ تُل گئے محسنؔ
اُس کے چہرے کا ''تِل'' گیا پھر سے

☆

یہ خوشبو کے بکھر جانے کا موسم!
یہی موسم ہے مر جانے کا موسم!!

وداعِ دست و داماں کی گھڑی ہے
کہ لَوٹ آیا ہے گھر جانے کا موسم

گِنو لمحے کھلی آنکھوں سے شب کے
یہ ہے سوتے میں ڈر جانے کا موسم

کئی اُلجھی رُتوں کے بعد آیا ۔۔!
تِری زلفیں سنور جانے کا موسم

سفر تھا' کون جانے کس نگر میں؟
وہ بھول آیا نِکھر جانے کا موسم

زمیں کی پیاس کو کب راس آیا؟
چڑھے دریا اُتر جانے کا موسم

وہی ہم ہیں وہی مقتل کی دھج ہے
وہی جاں سے گزر جانے کا موسم

وہی اُس کے سفر کا تیز لمحہ!
وہی دل کے ٹھہر جانے کا موسم

یہاں زیرِ زمیں بسنے کی خواہش
وہاں کُہسار پر جانے کا موسم

وہ بستی' چاند سے چہرے وہ آنکھیں!
یہ موسم ہے اُدھر جانے کا موسم!

محسنؔ قیامت ہے دلِ سادہ پہ
کسی کو چھوڑ کر جانے کا موسم

☆

فن کار ہے تو ہاتھ پہ سورج سجا کے لا
بجھتا ہوا دِیا نہ مقابل ہوا کے لا

دریا کا انتقام ڈبو دے نہ گھر ترا؟
ساحل سے روز روز نہ کنکر اُٹھا کے لا

اب اختتام کو ہے سخیٔ حرفِ التماس
کچھ ہے تو اب وہ سامنے دستِ دُعا کے لا

پیماں وفا کے باندھ مگر سوچ سوچ کر
اِس ابتدا میں یوں نہ سخن انتہا کے لا

آرائشِ جراحتِ یاراں کی بزم ہے
جو زخم دِل میں ہیں، سبھی تن پر سجا کے لا

تھوڑی سی اور مَوج میں آ، اے ہوائے گُل
تھوڑی سی اُس کے جِسم کی خوشبو چُرا کے لا

گر سوچنا ہیں اہلِ مشیّت کے حوصلے
میداں سے گھر میں، ایک تومیّت اُٹھا کے لا

محسنؔ اب اُس کا نام ہے سب کی زبان پر
کس نے کہا کہ اُس کو غزل میں سجا کے لا

☆

دِل میں اور چشمِ تَر میں کیا کچھ تھا
تجھ سے پہلے نَظر میں کیا کچھ تھا

وہ جو لُٹ کر ہوئے ہیں شہر بدر
اُن سے پوچھو کہ گھر میں کیا کچھ تھا؟

خیر گزری کہ سج گئے مقتل!
ورنہ سَودا تو سَر میں کیا کچھ تھا؟

دُھول اُڑنے لگی تو .... یاد آیا ....
کل تک اِس رہگزر میں کیا کچھ تھا؟

دیکھ اب کے سفر میں کچھ بھی نہیں
سوچ اگلے سفر میں کیا کچھ تھا؟

ڈھل گئی دُھوپ، بُجھ گیا سوُرَج
سایۂ بام و دَر میں کیا کچھ تھا؟

پوچھ اپنی اُداس آنکھوں سے!
میرے دِل کے کھنڈر میں کیا کچھ تھا؟

کچھ تو بول اے ستارۂ آخر!
شب کے پچھلے پہر میں کیا کچھ تھا؟

جو ترے کُنجِ لب سے پھوٹی تھی
اُس نشیلی سَحر میں کیا کچھ تھا

تیرے نزدیک بے ہُنر ٹھہرے
ورنہ اپنے ہُنر میں کیا کچھ تھا

تو نے بھیجی تھی جو بدستِ صَبا!

کیا کہیں اُس خبر میں کیا کچھ تھا؟

ہم نے مانگی تھی جو بوقتِ وداع!
اُس دُعا کے اثر میں کیا کچھ تھا؟

جب تجھے چھو لیا تو کیوں سوچیں؟
حُسنِ لعل و گُہر میں کیا کچھ تھا؟

عشرتِ ابر پر نہ جا محسنؔ!
حسرتِ کوزہ گر میں کیا کچھ تھا؟

میرے کمرے میں اتر آئی خموشی پھر سے!

میرے کمرے میں اُتر آئی خموشی پھر سے
سایۂ شامِ غریباں کی طرح
شورشِ دیدۂ گریاں کی طرح
موسمِ کُنجِ بیاباں کی طرح
کتنا بے نُطق ہے یادوں کا ہجوم
جیسے ہونٹوں کی فضا یخ بستہ
جیسے لفظوں کو گہن لگ جائے
جیسے روٹھے ہوئے رستوں کے مسافر چُپ چاپ
جیسے مرقد کے سرہانے کوئی خاموش چراغ
جیسے سنسان سے مقتل کی صلیب!
جیسے کجلائی ہوئی شب کا نصیب!
میرے کمرے میں اُتر آئی خموشی
پھر سے!
پھر سے زخموں کی قطاریں جاگیں!
اوّلِ شامِ چراغاں کی طرح!
ہر نئے زخم نے پھر یاد دلایا مجھ کو
اِسی کمرے میں کبھی

محفلِ احباب کے ساتھ
گنگناتے ہوئے لمحوں کے شجر پھیلتے تھے
رقص کرتے ہوئے جذبوں کے دہکتے لمحے
قریۂ جاں میں لہو کی صورت
شمعِ وعدہ کی طرح جلتے تھے!
سانس لیتی تھی فضا میں خوشبو
آنکھ میں ''گلبنِ مرجاں'' کی طرح
سانس کے ساتھ گہر ڈھلتے تھے!
آج کیا کہیے کہ ایسا کیوں ہے؟
شام چپ چاپ
فضا یخ بستہ
دِل، مرا دل کہ سمندر کی طرح زندہ تھا
تیرے ہوتے ہوئے تنہا کیوں ہے؟
تو کہ خود چشمۂ آواز بھی ہے
میری محرم مری ہمراز بھی ہے!
تیرے ہوتے ہوئے ہر سمت اُداسی کیسی؟
شام چپ چاپ
فضا یخ بستہ
دل کے ہمراہ بدن ٹوٹ رہا ہو جیسے!
روح سے رشتۂ جاں چھوٹ رہا ہو جیسے!!

اے کہ تُو چشمۂ آواز بھی ہے
حاصلِ نغمگیِ ساز بھی ہے!
لب کُشا ہو کہ سرِ شامِ فگار
اِس سے پہلے کہ شکستہ دل میں
بدگمانی کی کوئی تیز کرن چُبھ جائے
اس سے پہلے کہ چراغِ وعدہ
یک بیک بُجھ جائے!
لب کُشا ہو کہ فضا میں پھر سے
جلتے لفظوں کے دہکتے جگنو
تَیر جائیں تو سکوتِ شبِ عریاں ٹوٹے
پھر کوئی بندِ گریباں ٹوٹے!
لَب کُشا ہو کہ مری نَس نَس میں
زہر بھر دے نہ کہیں
وقت کی زخم فروشی پھر سے

لب کشا ہو کہ مجھے ڈس لے گی
خود فراموشی پھر سے
میرے کمرے میں اُتر آئی
خموشی پھر سے!!

☆

اتنی فرصت نہیں اب اور سخن کیا لکھنا؟
بس بہ اندازِ غزل اُس کا سراپا لکھنا

اُس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا پڑھنا
دل کو سیلاب کے موسم میں بھی پیاسا لکھنا

بزمِ خورشید رُخاں میں وہ الگ، سب سے الگ
حلقۂ گل بدناں میں اُسے یکتا --- لکھنا

اُس کی زُلفوں میں اندھیروں کو بکھرنے دینا
اُس کے چہرے کو مگر چاند کا ٹکڑا لکھنا

اُس کے اَبرو کو ہلالِ شبِ وعدہ کہنا
اُس کے رُخسار کی سُرخی کو شفق سا لکھنا

اُس کے ماتھے پہ سجانا کئی صُبحوں کے ورق
اُس کی جھکتی ہوئی پلکوں پہ فسانہ لکھنا

اُس کی آہٹ سے چُرا لینا چٹکتی کلیاں
اُس کے قامت پہ قیامت کا قصیدہ لکھنا

گھولنا دُھوپ میں خود اُس کے بدن کی چاندی
اُس کے سائے کو قسم کھا کے سنہرا لکھنا

صبح کی پہلی کرن اُس کے تبسّم کی زکوٰۃ
شام کو بخششِ دلدار کا دریا لکھنا

اُس کے ملبوس کو رنگوں کے سمندر جیسا
اُس کے آنچل کو سمندر کا کنارا لکھنا

زندگی مرحمتِ جنبشِ لب کا اقرار
اُس کی ہر سانس کو اعجازِ مسیحا لکھنا

اُس کی باتوں کو تلاوت کی طرح دُہرانا
اُس کے ملنے کو بھی الہام کا لمحہ لکھنا

شب کو انگڑائی سے جب اُس کا بدن ٹوٹتا ہے
اوج پر اپنے مقدّر کا ستارا لکھنا

وہ اگر خواب میں بلقیس کی صوُرت اُترے
خواب کو خواب نہیں، مُلکِ سبا کا لکھنا

دیکھ لینا کبھی اغیار کی محفل میں مگر
دِل کی باتوں پہ نہ جانا، اُسے ''اپنا'' لکھنا

ذِکر مقتل کا جو کرنا ہو تو محسنؔ پیارے
اپنے قاتل کو بہر طور ''مسیحا'' لکھنا

☆

اِس کو بُجھنے سے بچا لے اے غمِ یاراں کی رات!
آخری آنسو یہ کربِ رائیگاں کی کائنات!!

ایک ہی جذبے کے پہلوٗ کیا خوشی کیا رنجِ ذات
ایک ہی جانب رواں ہیں کیا جنازہ کیا برات

اپنی سوچیں حادثوں کے ساتھ مصروفِ سفر
جس طرح موجِ ہوا کی زد میں سادہ کاغذات

چاند نے موجوں کی تہہ میں چھُپ کے دیکھی رات بھر
ایک پرچھائیں رَواں بہتی ندی کے ساتھ ساتھ

آ گہی کا زر نہ ہاتھ آیا نہ اجرِ عاشقی!
میں نے کتنی بار توڑا ہے بدن کا سومنات

مر گیا شاعر تو اُس کو ملی میراث میں!
میز، بوسیدہ قلم، قرضے، مَرض، ٹوٹی دوات

میں تو محسنؔ بڑھ چلا تھا حد سے اُس کے شوق میں
دِل نے سمجھایا کہ لازم ہے ذرا سی احتیاط

☆

کبھی غزل میں دَر آیا، کبھی فسانہ ہُوا
وہ جس سے اپنا تعارف بھی غائبانہ ہُوا

عجب ہے اُس سے جدائی کے بعد کا لمحہ
کہ جیسے ترکِ تعلّق کو اِک زمانہ ہُوا

دُعائے نیم شبی حدِ ختم کو پہنچی!
یہ اور بات کہ بابِ قبول وا نہ ہُوا

یہی بہت ہے گواہی مِری رفاقت کی
کہ میرا سایہ تِری دُھوپ سے جدُا نہ ہُوا

ڈھلی ہے رات چلو اپنے گھر کو ہوآئیں
کہ لَوٹ آئیں گے، گر دروازہ کھُلا نہ ہُوا

سِتم جہاں کا، تغافل تِرا، عدو کا کرم
ہوا ہے جو بھی مِرے ساتھ مُنصفانہ ہُوا

مِلا ہے اپنی ہی پلکوں کی جھالروں سے اُدھر
وہ حرف بن کے زباں سے کبھی ادانہ ہُوا

شعورِ حُسن اُسے کب تھا اِس طرح محسنؔ
مزاج اپنی غزل کا ہی عاشقانہ ہُوا

مرا ہونا نہ ہونا۔۔۔۔!

مرا ہونا نہ ہونا منحصر ہے
ایک نقطے پر
وہ اِک ''نُقطہ''
جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر
''لفظ'' کی تشکیل کرتا ہے
وہ اِک نقطہ سمٹ جائے تو
''ہونے'' کا ہر اِک اِمکاں
''نہ ہونے'' تک کا سارا فاصلہ
پل بھر میں طے کر لے!
وہی نقطہ بکھر جائے
تو ہر اِک شے
''نہ ہونے'' کے قفس کی تیلیوں کو توڑ کر رکھ دے
''وہ اک نقطہ'' مری آنکھوں میں اکثر
روشنی کے سات رنگوں کو اُگاتا ہے!
مرے ادراک میں شبنم کی صورت
یا ستارے کی طرح لوحِ یقیں پر جگمگاتا ہے
وہی نقطہ مجھے تشکیک کے جنگل میں
جگنو بن کے منزل کی طرف رستہ دکھاتا ہے
مجھے اکثر بتاتا ہے
مرا ''ہونا'' ''نہ ہونے'' کا عمل ٹھہرا

مگر میرے ''نہ ہونے'' سے
مرے ''ہونے'' کی بھی تکمیل ہوتی ہے!
وہ اِک نقطہ کہاں ہے؟
کون ہے؟
کس کے لبوں میں چھپ کے ہر اثبات کو
انکار میں تبدیل کرتا ہے
جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر لفظ کی تشکیل کرتا ہے
یہ نکتہ بھی اُسی نقطے میں مضمر ہے
وہ اِک نقطہ کہ اب تک جس کے ہونے کا امیں ہوں مَیں'
وہ افشا ہو۔۔۔تو میں سمجھوں
کہ ''ہوں'' بھی یا ''نہیں ہوں' مَیں؟

پاگل لڑکی

اِک دن اِک پاگل لڑکی نے
اپنے گھر کی اونچی چھت سے
اپنے سارے خواب اُتارے
خواہش کے ٹکڑوں کو جوڑا
گیلے کپڑے
تیز ہوا کے ہاتھ سے چھینے
کالے حرفوں والے کاغذ
پرس میں رکھے
پیلے چاند کی پھیکی چھاؤں
اپنی کچی آنکھوں اندر
آپ سمیٹے
رشتوں کی سنجیریں توڑ کے
گھر سے نکلی!

شہر کی ساری روشنیوں نے
اُس کی آنکھیں
رنگ برنگی دیواروں پر
چسپاں کر دیں
جاگتی سوتی آنکھوں والی اُس لڑکی نے

مڑ کر دیکھا

گھر جانے کے سارے رستے
اُس سے اوجھل۔۔
آنکھیں بوجھل!!
اب وہ اپنے آپ کو جیسے ڈھونڈ رہی ہے
ہر جانب انجانے سائے
اُس سے آنکھیں مانگ رہے ہیں
اور وہ ہر اک موڑ پہ رُک کر
اپنے آپ سے پوچھ رہی ہے
اپنے گھر کا پہلا رستہ!!
وہ کتنی پاگل لڑکی تھی۔۔۔۔۔!
اور وہ تم ہو!!

میرے نام سے پہلے

اَب کے اُس کی آنکھوں میں
بے سبب اُداسی ۔۔۔ تھی!
اَب کے اُس کے چہرے پر
دُکھ تھا ۔۔ بے حواسی تھی!

اب کے یوں مِلا ۔۔ مجھ سے
یوں غزل سُنی ۔۔ جیسے
میں بھی ناشناسا ہوں
وہ بھی ۔۔۔ اجنبی جیسے

زرد خال و خد اُس کے
سوگوار دامن ۔۔۔ تھا
اَب کے اُس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پَن تھا ۔۔۔!

وہ کہ عُمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سخن ۔۔۔ جانا
دل سے آشنا ۔۔۔ لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو ''دِلرُبا'' لکھا

اب کے سادہ کاغذ پر
سُرخ روشنائی سے
اُس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے!
صرف ''بے وفا'' لکھا

☆

دور تک پھیلا ہے صحرائے اَجل
اے شبِ ہجراں مِرے ہمراہ چل

سانس کا ریشم جُھلس جانے کو ہے ۔۔۔
ڈھل کہیں اے دو پہر کی دھوپ' ڈھل!

روح کے زخمی پرندے' اب نہ سوچ
کُھل گیا زنداں کا دروازہ' نِکل!

ٹل گئی ہر اِک قیامت ٹل گئی
ہم رہے اپنے اصولوں میں اٹل!!

دَم تو لے اے دردِ ہجرِ دوستاں
ہم بھی سولیں' تو بھی اب کروٹ بَدل

اور بھی کچھ شمعیں شاید جَل بجھیں
اور بھی کچھ اے دلِ ناداں' مچل

راکھ ہو جائے نہ دل کی شعلگی
اِس قدر پتھر نہ بن، جاناں، پگھل

ہانپنے کو ہیں ہوا کی وحشتیں
اے چراغِ رہگذر، کچھ اور جل!!

یوں لگا وہ نیند سے جاگا ہوا
جیسے پچھلی رات کو تازہ غزل

آنسوؤں میں اُس کے چہرے کی دمک
پانیوں میں جس طرح کِھلتا کنول

اُس کی منزل سامنے ہے، جی نہ ہارا!
اے مرے دل اے مرے ساتھی سنبھل

کچھ بتاتا ہی نہیں غم کا سبب
بس یونہی گُم سُم ہے محسن آج کل

☆

وسعتِ چشمِ تر بھی دیکھیں گے
ہم تجھے بھول کر بھی دیکھیں گے

زخم پر ثبت کر نہ لب اپنے
زخم کو چارہ گر بھی دیکھیں گے!!

ہجر کی شب سے حوصلے اپنے
بچ گئے تو سحر بھی دیکھیں گے

رات ہونے دو، لوگ سونے دو!
چاند کو دَر بَدر بھی دیکھیں گے

اک دعا، دل سے چھُپ کے مانگی تھی
اُس دعا کا اثر بھی دیکھیں گے!!

اِک پُرانا سفر تو ختم ہوا
اِک نئی رہگذر بھی دیکھیں گے

گِن تو لینے دو بے کفن لاشیں!
بے صدا بام و در بھی دیکھیں گے

چھیڑ کر دل کی راکھ کو محسنؔ
اب کے رقصِ شرر بھی دیکھیں گے

☆

راحتِ دل، متاعِ جاں ہے تُو
اے غمِ دوست جاوداں ہے تُو

آنسوؤں پر بھی تیرا سایا ہے
دھوپ کے سر پہ سائباں ہے تُو

دِل تری دسترس میں کیوں نہ رہے
اِس زمیں پر تو آسماں ہے تُو

شامِ شہرِ اُداس کے والی
اے مِرے مہرباں کہاں ہے تُو؟

سایۂ ابرِ رائیگاں ہوں میں
موجۂ بحرِ بیکراں ہے تُو

میں تہی دست و گرد پیراہن
لعل و لماس کی دُکاں ہے تُو

لمحہ بھر مِل کے رُوٹھنے والے
زندگی بھر کی داستاں ہے تُو

کُفر و ایماں کے فاصلوں کی قَسم
اے متاعِ یقیں، گُماں ہے تُو

تیرا اقرار ہے --- نفی میری
میرے اثبات کا جہاں ہے تُو

اے مِرے لفظ لفظ کا مفہوم!
نطقِ بے حرف و بے زباں ہے تُو

جو مقدر سنوار دیتے ہیں!
اُن ستاروں کی کہکشاں ہے تُو

بے نشاں بے نشاں خیام مرے
کاروں کارواں ۔ رواں ہے تُو

اے گریباں نہ ہو سُپردِ ہوا
دِل کی کشتی کا بادباں ہے تُو

جلتے رہنا چراغِ آخرِ شب
اپنے محسنؔ کا رازداں ہے تُو

☆

اب تو یوں دیدۂ تر کھُلتا ہے
جیسے زنداں کا دَر کھُلتا ہے

کس نے پایا ہے دفینے کا سراغ؟
کب کوئی اہلِ ہنر کھُلتا ہے

خاک اُڑانے کو چلی آئی ۔۔۔ ہوا!
اپنا سامانِ سفر کھُلتا ہے

کھُل گیا اُس کی محبّت کا بھرم
جیسے چوفاں میں بھنور کھُلتا ہے

قفَسِ جاں سے بصد ناز نِکل
کیوں سمیٹے ہوئے پَر کھُلتا ہے

کچھ خبر دل کی بھی، اربابِ جنُوں!
مدتوں بعد یہ گھر کھُلتا ہے

بندشیں پوچھ نہ ہم پر اُس کی
لمحہ بھر کو بھی اگر کھُلتا ہے

دل کو دے گا وہ رفاقت کی تپش
راکھ سے جیسے شرر کھُلتا ہے

پھول سے موجِ صبا کہتی تھی
جاگ، بازارِ سحر کھُلتا ہے

تھام کشکولِ دُعا کو محسنؔ
دامنِ حرفِ اَثر کھُلتا ہے

☆

منصب بقدرِ قامتِ کردار چاہیے
کٹتے ہوئے سروں کو بھی دستار چاہیے

اِک تن بے کفن کو ضرورت ہے نوحہ گر
اِک شامِ بے رِدا کو عزادار چاہیے

سورج نے سر پہ تان لیا شب کا سائباں
اب دھوپ کو بھی سایۂ دیوار چاہیے

ہیرے نہ ہوں تو اشک سجا لو دکان میں
سودا گروں کو گرمیِ بازار چاہیے!

ایسا نہ ہو کہ برف ضمیروں کو چاٹ لے
یخ بستگی کو شُعلۂ پندار چاہیے

اذنِ سفر مِلا ہے تو حدِّ نظر غلط!
پرواز، آسماں کے بھی اُس پار چاہیے

خوشبو کی جھانجھریں ہیں ہواؤں کے پاؤں میں
شاید سکوتِ دشت کو جھنکار چاہیے

ہے مدّعی کی فکر نہ مجرم سے واسطہ
منصف کو صرف اپنا طرفدار چاہیے

شورش لہو کی ہو کہ ہو محسنؔ اذانِ شوق
غوغا کوئی تو آج سرِدار چاہیے

تھک جاؤ گی

پاگل آنکھوں والی لڑکی!
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔
تھک جاؤ گی!!
کانچ سے نازک خواب تمھارے
ٹوٹ گئے تو
پچھتاؤ گی!!
سوچ کا سارا اُجلا کندن
ضبط کی راکھ میں گھل جائے گا
کچے پکّے رشتوں کی خوشبو کا ریشم
کھل جائے گا۔۔!
تم کیا جانو؟
خواب' سفر کی دھوپ کے تیشے
خواب' ادھوری رات کا دوزخ
خواب' خیالوں کا پچھتاوا
خوابوں کی منزل رُسوائی!
خوابوں کا حاصل تنہائی!!
تم کیا جانو؟
مہنگے خواب خریدنا ہوں تو
آنکھیں بیچنا پڑتی ہیں۔۔۔یا
رِشتے بھولنا پڑتے ہیں

اندیشوں کی ریت نہ پھانکو
پیاس کی اوٹ سراب نہ دیکھو
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔!!
تھک جاؤ گی!!

اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے
یہ مرا شہر صحرا صفت، دشت خو
جس کے رستوں کی مٹّی، مری آبرو
جس کی گلیاں، لکیریں مرے بخت کی
جس کے ذرّے مہ و مہر سے قیمتی!

یہ وہی شہر ہے --- اجنبی دیکھنا!
جس کی چاہت کی تعزیر میں عُمر بھر
میری آوارگی کے فسانے --- بنے!
جس کی خاطر مرے ہم سُخن، ہمسفر
بے سبب تہمتوں کے نشانے بنے!
جس کی بخشش کی تاثیر کے ذائقے
میری تشہیر کو تازیانے بنے!
میری دیوانگی نے تراشا جنھیں
وہ سیہ پوش لمحے زمانے بنے!

اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے
جس کی جلتی ہوئی دوپہر میں سدا
خواب بنتی رہی نوجوانی مری!
جس کے ہر موڑ پر راکھ کے ڈھیر میں
دفن ہوتی رہی ہر کہانی مری

جس کی پُرہول راتوں کی محراب میں
میری غزلوں کے خورشید جلتے رہے
جس کی یخ بستہ صبحوں کے اصرار پر
میرے آنسو، شراروں میں ڈھلتے رہے

یہ وہی شہر ہے جس کے بازار میں
بارہا میرا پندار بیچا --- گیا!
موسمِ قحط کو ٹالنے کے لیے!
میرے دامن کا ہر تار بیچا گیا

اجنبی دیکھنا ---- دیکھنا اجنبی!
اپنے صحرا صفت شہر میں آج پھر
میں دریدہ بدن، میں بُریدہ قبا

دَربدر خواہشوں کی کٹی انگلیاں
ریزہ ریزہ مہ و سال کے ذائقے
ہانپتے کانپتے دل کی شوریدگی
عُمر بھر کی کمائی ہوئی شُہرتیں
لمحہ لمحہ سُلگتی ہوئی زندگی
ناچتی تہمتوں کی کھلی وحشتیں
لب پہ مجروح لفظوں کی چبھتی تھکن
تن پہ یاقت زخموں کے تمغے لیے
سر جھکائے ہوئے راکھ کے ڈھیر پر
سوچتا ہوں کہ ہاں یہ وہی شہر ہے
جس سے منسوب ہے میرا نام و نسب
میرا فن، میری تخلیق، میرا ادب
شورشِ چشم نم --- نوحۂ زیرِ لَب
سب اِسی شہرِ صحرا صفت کے لیے

میں مگر آج اس شہر کی بھیڑ میں
صورتِ موجِ صحرا اکیلا بہت!
میرے چہرے پہ کوئی گواہی نہیں
کچھ بھی حاصل مِرا جُز تباہی نہیں

یوں بھی ہے، کل جہاں میں تھا مسند نشیں
اُس جگہ خیمہ زن اب نئے لوگ ہیں
خود سے آباد کر قریۂ شب مجھے
کوئی پہچانتا ہی نہیں اب مجھے!!

دل میں چُبھتی ہوئی درد کی لہر ہے
میرے سچ کا صلہِ ساغرِ زہر ہے
سانس لینا یہاں جبر ہے قہر ہے
اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے
یہ وہی شہر ہے---!

☆

جستجو میں تری پھرتا ہوں نجانے کب سے؟
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے ۔ کب سے!

میں کہ قسمت کی لکیریں بھی پڑھا کرتا تھا
کوئی آیا ہی نہیں ہاتھ دکھانے کب سے

نعمتیں ہیں نہ عذابوں کا تسلسل اب تو!
مجھ سے رُخ پھیر لیا میرے خدا نے کب سے

جاں چھڑکتے تھے کبھی خود سے غزالاں جن پر
بھول بیٹھے ہیں شکاری وہ نِشانے کب سے

وہ تو جنگل سے ہواؤں کو چُرا لاتا تھا
اُس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے؟

شہر میں پرورشِ رسم جنوں کون کرے؟
یوں بھی جنگل میں ہیں یاروں کے ٹھکانے کب سے؟

آنکھ رونے کو ترستی ہے تو دل زخموں کو
کوئی آیا نہیں احسان جتانے کب سے

جن کے صدقے میں بسا کرتے تھے اُجڑے ہوئے لوگ
لُٹ گئے ہیں سرِ صحرا وہ گھرانے کب سے

لوگ بے خوف گریباں کو کُھلا رکھتے ہیں
تیر چھوڑا ہی نہیں دستِ قضا نے کب سے

جانے کب ٹوٹ کے برسے گی ملامت کی گھٹا؟
سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں دِوانے کب سے

جن کو آتا تھا کبھی حشر جگانا محسنؔ
بختِ خفتہ کو نہ آئے وہ جگانے کب سے!

☆

ہواَ چلی بھی تو خود سے ڈرا دیا ہے مجھے
چراغِ شامِ سفر نے بُجھا دیا ہے مجھے

مِرے بدن میں پڑی جب بھی زلزلے کی دراڑ
مِرے کماں نے بہت آسرا دیا ہے مجھے

میں دھوپ دھوپ مسافت میں جس کے ساتھ رہا
ذرا سی چھاؤں میں اُس نے بھُلا دیا ہے مجھے

نئے دِنوں کے لیے نیند نوچنا ۔۔ کیسا؟
گئے دنوں کی رفاقت نے کیا دیا ہے مجھے؟

وہ تیری یاد کہ انگلی پکڑ کے چلتی تھی
اُسی نے راہ میں آخر گنوا دیا ہے مجھے

بُجھا تھا زہر میں ہر تارِ پیرہن اپنا
مِری قبا نے دریدہ بدن کیا دیا ہے مجھے

حصارِ دیدۂ تر میں سمٹ گئے منظر
تھکاوٹوں نے عجب حوصلہ دیا دیا ہے مجھے

بُچھڑتے جاتے ہیں سب خواب اپنی پلکوں سے
یہ کس نے جاگتے رہنا سِکھا دیا ہے مجھے

مَیں روشنی کی علامت نہ فصلِ گُل کا سفیر

سحر کی شاخ پہ کس نے سجا دیا ہے مجھے

مِرے دیارِ پرستش میں آسماں تھا وہ شخص
اُسی نے اپنی نظر سے گرا دیا ہے مجھے

اُجاڑ دن تھا وہ محسنؔ نہ ذکرِ شامِ فراق
ہنسی خوشی یوُنہی اُس نے رُلا دیا ہے مجھے

☆

تم نہیں، بچپن کی ضِد میں، تم سی کتنی لڑکیاں
اَب پرائے دامنوں پر کاڑھتی ہیں تتلیاں

دِل میں تنہائی کا سنّاٹا عذابِ حشر ہے
رات بھر بجتی ہیں میرے گھر کی ساری کھڑکیاں

میں شکستہ آئینوں کے شہر میں پھرتا رہا
ہاتھ میں تیرا پتہ، پاؤں میں چھبتی کِرچیاں

اُس کی جرأت پھانک لی تھی جُستجوئے رزق نے
سہہ گیا وہ آتے جاتے گاہکوں کی جھڑکیاں

ڈُوبنے والوں کی آوازیں خلا میں کھو گئیں
لوگ چُنتے ہی رہے ساحل سے تازہ سیپیاں

ہجر کے سارے فسانے سب بہانے سچ مگر
کچھ مسائل اور بھی تھے اُس کے میرے درمیاں

روشنی مانگی تھی، سُنتے ہیں، بزرگوں نے کبھی
ڈھونڈتی ہیں بستیوں کو اب بھی اندھی بجلیاں

اَب لُٹے لاشوں جلے خیموں کا پرُسہ کس کو دیں؟

رہ گئیں صحرا میں بچّوں کی اُدھوری ہچکیاں

ہم گریبانوں سے جائیں گے تو کیا، محسنؔ مرے
دوستوں کے ہاتھ تو رہ جائیں گی کچھ دھجّیاں

☆

کاش ہم کھل کے زندگی کرتے!
عمر گزری ہے خودکشی کرتے!!

بجلیاں اس طرف نہیں آئیں
ورنہ ہم گھر میں روشنی کرتے

کون دشمن تری طرح کا تھا؟
اور ہم کس سے دوستی کرتے؟

بجھ گئے کتنے چاند سے چہرے
دل کے صحرا میں چاندنی کرتے

عشق اُجرت طلب نہ تھا ورنہ
ہم ترے در پہ نوکری کرتے

اِس تمنّا میں ہو گئے رُسوا
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے

حُسن اُس کا نہ کھل سکا محسنؔ
تھک گئے لوگ شاعری کرتے

☆

سِتم کو مصلحت، حُسنِ تغافل کو ادا کہنا
اُسے اب اور کیا لکھنا، اُسے اب اور کیا کہنا؟

یہ رسمِ شہرِ ناپُرساں، ہمارے دَم سے قائم ہے
کہ ہر اک اجنبی کو مُسکرا کر آشنا کہنا

جلوسِ دِلفگاراں میں نہ کرنا بات تک لیکن
ہجوُمِ گل عذاراں میں اُسے سب سے جُدا کہنا

سفر میں یوں خُمارِ تشنگی آنکھوں میں بھر لینا
چمکتی ریت کو دریا، بگولے کو گھٹا کہنا

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کے ٹوٹے ہیں
توُ اس پر بھی سلامت ہے، دِلِ خوش فہم کیا کہنا!

دلِ بے مدّعا کو بے طلب جینے کی عادت ہے
مجھے اچھّا نہیں لگتا دُعا کو التجا کہنا۔!

مرے محسنؔ یہ آدابِ مسافت سیکھنا ہوں گے
بھٹکتے جگنوؤں کو بھی سفر کا آسرا کہنا

سُن لیا ہم نے•••••!

سُن لیا ہم نے فیصلہ --- تیرا
اور سُن کر، اُداس ہو بیٹھے
ذہن چُپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے

دُھندلے دُھندلے سے منظروں میں مگر
چھیڑتی ہیں تجلّیاں --- تیری
بھولی بسری ہوئی رُتوں سے اُدھر
یاد آئیں --- تسلیّاں --- تیری!

دل یہ کہتا ہے --- ضبط لازم ہے
ہجر کے دِن کی دُھوپ ڈھلنے تک
اعترافِ شکست کیا کرنا -----!
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک

دل یہ کہتا ہے --- حوصلہ رکھنا
سَنگ، رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بُجھ جائے!
جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں۔!

اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
مناظر بجھے بجھے --- دیکھیں؟
اک طرف تُو ہے، اک طرف دل ہے
دِل کی مانیں -- کہ اب تجھے دیکھیں؟

خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے
راہ میں تیرا غم بھی --- حائل ہے
چاک در چاک ہے قبائے حواس!
بے رفو سوچ، رُوح گھائل ہے

تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی اَمرت سمجھ کے پی لیں گے!
ورنہ یوُں ہے کہ دامنِ دل میں!
چند سانسیں ہیں، گِن کے جی لیں گے!

☆

اِتنا خالی تو گھر نہیں، ہم ہیں!
ہم نہیں ہیں مگر نہیں، ہم ہیں!!

چشمِ دشمن کے خوف سے پوچھو
نوکِ نیزہ پہ سر نہیں، ہم ہیں

شامِ تنہائی غم نہ کر کہ ترا
کوئی بھی ہمسفر نہیں، ہم ہیں

چاند سے کہہ دو، بے دھڑک اُترے
گھر میں دیوار و در نہیں، ہم ہیں

وہ جو سب سے ہیں بے خبر، تم ہو
جن کو اپنی خبر نہیں، ہم ہیں

کیوں جلاتے ہو جھونپڑی اپنی؟
اِس میں لعل و گُہر نہیں، ہم ہیں

ہم ہیں ہم زادِ رات کے محسنؔ
جن کی قسمت سحر نہیں، ہم ہیں

☆

دشتِ ہجراں میں نہ سایا نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں ترے آبلہ پا ۔ تیرے بعد

کوئی پیغام نہ دِلدار نوا تیرے بعد
خاک اُڑاتی ہوئی گزری ہے صبا تیرے بعد

لب پہ اِک حرفِ طلب تھا، نہ رہا تیرے بعد
دِل میں تاثیر کی خواہش نہ دُعا تیرے بعد

عکس و آئینہ میں اب رَبط ہو کیا تیرے بعد
ہم تو پھرتے ہیں خود اپنے سے خفا تیرے بعد

دُھوپ عارض کی نہ زلفوں کی گھٹا تیرے بعد
ہجر کی رُت ہے کہ حُبس کی فضا تیرے بعد

لیے پھرتی ہے سرِ کُوئے جَفا تیرے بعد
پرچمِ تارِ گریباں کو ہوا تیرے بعد

پیرہن اپنا سلامت نہ قَبا تیرے بعد
بس وہی ہم وہی صحرا کی رِدا تیرے بعد

نکہت و نَے ہے تہِ دستِ قضا تیرے بعد
شاخِ جاں پر کوئی غُنچہ نہ کِھلا تیرے بعد

دل نہ مہتاب سے اُلجھا نہ جلا تیرے بعد
ایک جگنو تھا کہ چُپ چاپ بجھا تیرے بعد

کون رنگوں کے بھنور کیسی حنا تیرے بعد؟
اپنا خوں اپنی ہتھیلی پہ سَجا تیرے بعد

درد سینے میں ہُوا نَوحہ سرا تیرے بعد
دِل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد

ایک ہم ہیں کہ ہیں بے برگ و نوا تیرے بعد
ورنہ آباد ہے سب خلقِ خدا تیرے بعد

ایک قیامت کی خراشیں ترے چہرے پہ سجیں
ایک محشر مرے اندر سے اُٹھا تیرے بعد

تجھ سے بچھڑا ہوں تو مُرجھا کے ہوَا بُرد ہوا
کون دیتا مجھے کھِلنے کی دُعا تیرے بعد؟

اے فلک نازؔ مری خاک نشانی تیری
میں نے مٹّی پہ ترا نام لکھا تیرے بعد

تو کہ سمٹا تو رگِ جاں کی حدوں میں سمٹا
میں کہ بکھرا تو سمیٹا نہ گیا تیرے بعد

ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے ---!
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد

بجھتے جاتے ہیں خدوخالؔ مناظرؔ آفاق!
پھیلتا جاتا ہے خواہش کا خلأ تیرے بعد

یہ الگ بات کہ افشا نہ ہوا تُو ورنہ
میں نے کتنا تجھے محسوس کیا تیرے بعد

میری دُکھتی ہوئی آنکھوں سے گواہی لینا
میں نے سوچا تجھے اپنے سے سوا تیرے بعد

سہ لیا دل نے ترے بعد ملامت کا عذاب
ورنہ چبھتی ہے رگِ جاں میں ہوا تیرے بعد

جانِ محسنؔ مرا حاصل یہی مُبہم سطریں!
شعر کہنے کا ہُنر بھول گیا تیرے بعد

☆

بھولے بسرے ہوئے بام ودر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟
بے کراں دشت میں اپنے گھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

چل پڑے ہو تو اب آنکھ پر ٹوٹتے آبلے باندھ لو
راہ میں ختم شامِ سفر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جس کے بعد اپنی راتوں کی ہریالیاں بانجھ بنجر بنیں
ایسی کم یاب تنہا سحر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

ضبط کا زہر تھا، ہنس کے پینا پڑا، پی چکے، جی چکے!
چند لمحوں کو اب چارہ گر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

رات پھر دل میں چُبھتا ہو ایک پَل کہہ گیا آنکھ سے
رائیگاں آس پر عمر بھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جن کو محسنؔ قفس میں دہکتی ہوئی زندگی راس ہے
اُن پرندوں کو اب بال و پَر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

☆

نفَس کو درد سے حاصل فراغ ہونا تھا
اُبلتی مَے تھی، شکستہ ایاغ ہونا تھا

جہاں جہاں سے گزرنا تھا تیری خوشبو کو
رَوِش رَوِش کو ہواں باغ باغ ہونا تھا

ملے تھے شام سفر میں تو پھر بوقتِ فراق
تجھے ہَوا مجھے آخر چراغ ہونا تھا

وہاں تو رسم تھی خنجر کو صاف رکھنے کی
مِری قبا کو وہاں داغ داغ ہونا تھا

وہ اشک شامِ غریباں میں بجھ گیا جس کو
خطِ مسافتِ شب کا سُراغ ہونا تھا

تمھاری سوچ بھی آخر بہک گئی محسنؔ
تمھیں تو شہر میں روشن دماغ ہونا تھا

☆

شام ہی شام پیش و پس، اور ہوَا کا سامنا
ایک چراغِ کم نفس ۔۔۔ اور ہوَا کا سامنا

وقت ملے تو پوُچھنا دل زدگانِ شوق سے
موسمِ گوشۂ قفس اور ہوَا کا سامنا

دائرۂ حواس میں ایک قبا کی سلوٹیں
دِل پہ جنوں کی دسترس ۔۔۔ اور ہوَا کا سامنا

پچھلے برس تو بچ گئے ۔۔۔ اور ہوا تھی سامنے
کرنا پڑے گا اِس برس ۔۔۔ اور ہوَا کا سامنا

ہمسفرو دُعا کرو کاش ہمیں نصیب ہو
رات کی رانیوں کا رس اور ہوَا کا سامنا

آنکھ میں قحطِ آب سے دیکھ دِیے بُجھے ہوئے
دِل نے کہا کہ یار بس؟ اور ہوَا کا سامنا

ابھی نہ رُکنا۔۔۔۔۔!

میں معترف ہوں

کہ تم نے اپنے قلم سے
پتھر کی مورتوں کے بدن کی
شکنیں درست کی ہیں!

کہ تم نے پلکوں سے
ریزہ ریزہ بکھرتی نیندوں
کو چُن کے لفظوں میں گھولنے کا
ہنر تراشا

کہ تم نے مدفون روز و شب کے
کواڑ کھولے اور اُن کے پیچھے
بُجھے چراغوں کی سر بریدہ لوؤں کو
اپنے لہو سے روشن کیا تو
ذرّوں کی آنچ پر پھر حنوط چہرے
پگھل کی آواز بن گئے ہیں!!

میں معترف ہوں کہ
تم نے تنگی گلی کے بے خواب پہریداروں کی
آستیں میں چھپی ہوئی، زہر سے بھری سازشوں کو
باہر نکال کر
بے خبر ہواؤں کو تازہ خبروں کا نور بخشا۔۔۔!
میں معترف ہوں،
تمھاری آنکھوں میں بولتے سچ کا معترف ہوں
میں معترف ہوں
تمھارے پاؤں میں جاگتے آبلوں کی حدّت کا معترف ہوں
مگر مری جاں!
ابھی قلم کو نہ تھکنے دینا
کہ زندگی کے بہت سے زخموں کو
(''حرفِ مرہم'' کی جستجو ہے)
ابھی نہ رُکنا
کہ ہر مسافت تمھارے اپنے ہنر کا زیور ہے
آبرو ہے!
ابھی بگولوں میں گھِر کے بے دست و پا نہ ہونا
کہ سچ کے اِس بے کنار صحرا میں
تم اکیلے نہیں ہو
میں بھی تمھارے ہمراہ چل رہا ہوں!

(ضیا ساجد کے لیے)

☆

حال مت پوچھ عشق کرے کا!
عمر جینے کی، شوق مرنے کا!!

وہ محبت کی احتیاط کے دن!
ہائے موسم وہ خود سے ڈرنے کا

اب اُسے آئینے سے نفرت ہے!
کل جسے شوق تھا سنورنے کا

خودکشی کو بھی رائیگاں نہ سمجھ
کام یہ بھی ہے کر گذرنے کا

عمر بھر کے عذاب سے مشکل!
ایک لمحہ، سوال کرنے کا!!

خون رونا بھی اک ہُنر ٹھہرا،
بانجھ موسم میں رنگ بھرنے کا

ٹوٹتے دل کو شوق سے محسنؔ
صورتِ برگِ گل بکھرنے کا!!

☆

رات بھی ہے سفر بھی، جگنو بھی
دو قدم چل پڑے اگر تُو بھی!!

کچھ تو تاریک تھی فراق کی رات
اور کچھ کُھل گئے وہ گیسو بھی!

قُفلِ موجِ رواں مگر نہ کُھلا
پیاس بیٹھی رہی لبِ جُو بھی

ایک ہی پَل میں مُجھ سے بچھڑے ہیں
موسمِ گل بھی تیری خوشبو بھی!!

اُس پہ کیسی غزل کہیں؟ کہ وہ شخص
سنگدل بھی ہے آئینہ رُو بھی

اوّل اوّل وہ رُوٹھ کر جو مِلا
آنکھ میں بولتے تھے آنسو بھی

شب کا دریا نہ طَے ہوا محسؔن
شل ہوئے اپنے دست و بازو بھی

☆

دِل نے تنہا جھیلی رات
ہجر کی رات، اکیلی رات

دِن والے کب بُوجھ سکے؟
مشکل شام، پہیلی رات

ایک سفر کی تشریحیں!
چاند، چکور، چنبیلی، رات!!

دن اپنے ہر درد کا دوست
اُس کی ایک سہیلی رات

اِک سُنسان نگر ہر سانس
اِک ویران حویلی رات

اُس کا روپ تھا ''ہاڑ'' کی دُھوپ
میری سرد ہتھیلی رات

اُس کی آنکھ سے چھلکی شام
اُس کی زلف سے کھیلی رات

محسنؔ کے انجام کے نام
ہجر کی نئی نویلی رات

عہد نامہ

غلط کہا ہے کسی نے تم سے
کہ جنگ ہوگی!
زمیں کے سینے پہ بے تحاشہ لہو بہے گا
لہوُ بہے گا۔۔بصوُرتِ آبجو بہے گا
لہوُ جو میزانِ آرزو ہے
لہوُ جو ہابیلؑ وابنِ مریمؑ کی آبرو ہے
لہو جو ابنِ علیؑ کے سایۂ چشم و اَبرو میں سُرخرو ہے
مجاورانِ شبِ ہلاکت کی سازشوں کے مقابلے میں
جو روشنی ہے، تپش، تمازت، طلب، نمو ہے
لہو امانت ہے آگہی کی
لہو ضمانت ہے زندگی کی
لہو بہے گا تو مسکراتی ہوئی زمیں پر
نہ پھول مہکیں گے چاہتوں کے
نہ رقصِ خوشبو نہ موسموں کی تمیز کوئی
نہ زندگی کا نشاں رہے گا
(فقط اَجل کا دُھواں رہے گا)
غلط کہا ہے کسی نے تم سے
کہ جنگ ہوگی!

سمندروں سے اُٹھیں گے شعلے
زمیں کے سینے پہ موت ناچے گی
کھیت کھلیان راکھ ہو جائیں گے جھلس کر
فضا میں بارود پھانک لے گا
۔۔۔۔۔بشر کی سانسیں!
یہ ہنستے بستے گھروں کے آنگن
۔۔۔۔۔بنیں گے مدفن!!
ہزار ہا بے گناہ ماؤں کی چھاتیوں سے
لپٹ کے سوئے، گلی محلّوں میں کھیلتے
بے نیاز بچّوں کے۔۔۔۔۔
جن کی آنکھوں میں کوئی سازش نہ جُرم کوئی

تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی تو اس کے شعلے
زمیں کی ہریالیاں۔۔۔نگلنے کے بعد میں بھی
۔۔۔۔۔۔نہ سرد ہوں گے
تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی
تو آنے والے کئی برس
بانجھ موسموں کی طرح کٹیں گے،
تمام آباد شہر۔۔سُنسان وادیوں کی طرح ہٹیں گے
قضا کے آسیب اپنے جبڑوں میں پیس دیں گے
تمام لاشیں، تمام ڈھانچے، تمام پنجر
نہ فاختائیں رہیں گی باقی
نہ شاہراہوں پہ روشنی کا جلوس ہو گا
لہو کے رشتے، نہ عکسِ تہذیبِ آدمیّت
نہ ارتباطِ خلوص ہو گا۔۔۔
تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی تو اس کے شعلے
تمام جذبوں کو چاٹ لیں گے
نہ زندگی کا نشاں رہے گا
فقط اجل کا دھواں رہے گا

تمھیں خبر ہے تو بے خبر بن کے سوچتے کیا ہو،
دیکھتے کیا ہو؟
آ ؤ اپنے لہو سے لکھیں وہ عہد نامہ
جو عزمِ تخریب رکھنے والوں کے عہد ناموں سے معتبر ہو
وہ عہد نامہ کی جس کے لفظوں میں

مسکراتے حسین بچوں کی دلکشی ہو
نحیف ماؤں کی سادگی ہو
ضعیف محنت کشوں کے ہاتھوں سے
لہلہاتے جوان کھیتوں کی زندگی ہو
اُٹھو کہ لکھیں وہ عہد نامہ
جو امن کی فاختہ کے نغموں سے گُونجتا ہو
لکھو کہ
خوشبوئے امن بارُود کی ہلاکت سے معتبر ہے
لکھو کہ ہنستی ہوئی سَحر، شب کی تیرگی سے عظیم تر ہے
لکھو کہ دھرتی اجاڑنے والے مجرموں کا حساب ہوگا
لکھو کہ بارود کا دُھواں خود بشر پہ اپنا عذاب ہوگا۔۔۔
"تم اپنی خواہش کی بھٹیوں میں جلاؤ خود کو
مگر ہمیں اُمن کی خنک چھاؤں میں
دُعاؤں میں سانس لینے دو۔۔زندگی بھر
کہ جنگ ہوگی تو دیکھ لینا
کہ زندگی کی سحر نہ ہوگی
کسی کو اپنی خبر نہ ہوگی!

☆

نئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے
وگرنہ اُس سے محبت بہت پرانی ہے

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں کسی سے سُنوں
کہ تو نے بھی غمِ دنیا سے ہار مانی ہے

زمیں پہ رہ کے ستارے شکار کرتے ہیں
مزاج اہلِ محبت کا آسمانی ہے.....!!

ہمیں عزیز ہو کیونکر نہ شامِ غم کہ یہی
بچھڑنے والے تیری آخری نشانی ہے

اُتر پڑے ہو تو دریا سے پوچھنا کیسا؟
کہ ساحلوں سے اُدھر کتنا تیز پانی ہے

بہت دنوں میں تیری یاد اوڑھ کر اُتری
یہ شام کتنی سنہری ہے کیا سُہانی ہے!

میں کتنی دیر اُسے سوچتا رہوں محسنؔ
کہ جیسے اُس کا بدن بھی کوئی کہانی ہے

☆

کبھی جو چھیڑ گئی یادِ رفتگاں محسنؔ
بکھر گئی ہیں نگاہیں کہاں کہاں محسنؔ

ہوا نے راکھ اُڑائی تو دِل کو یاد آیا
کہ جل بجھیں مِرے خوابوں کی بستیاں محسنؔ

کچھ ایسے گھر بھی مِلے جن میں گھونگھٹوں کے عوض
ہوئی ہیں دفن دوپٹّوں میں لڑکیاں محسنؔ

کھنڈر ہے عہدِ گذشتہ' نہ چھو نہ چھیڑ اسے
کھلیں تو بند نہ ہوں اِس کی کھڑکیاں محسنؔ

بُجھا ہے کون ستارہ کہ اپنی آنکھ کے ساتھ
ہوئے ہیں سارے مناظر دھواں دھواں محسنؔ

نہیں کہ اُس نے گنوائے ہیں ماہ و سال اپنے
تمام عُمر کٹی یوں بھی رائیگاں محسنؔ

مِلا تو اور بھی تقسیم کر گیا مجھ کو
سمیٹنا تھیں جسے میری کرچیاں محسنؔ

کہیں سے اُس نے بھی توڑا ہے خود سے ربطِ وفا
کہیں سے بھوُل گیا میں بھی داستاں محسنؔ

☆

دِل تری رہگزر میں کھو بیٹھے
اِک ستارہ سفر میں کھو بیٹھے

شوُقِ پرواز و جُستجوئے سفر
خواہشِ بال و پَر میں کھو بیٹھے

حُسنِ حرفِ دُعا، فقیر ترے
مِنّتِ چارہ گر میں کھو بیٹھے

ہم بھی کیا چاندِ سے حَسیں چہرے
گردِ شام و سحر میں کھو بیٹھے

بادباں جب ہوَا کے ہاتھ لگا
کشتیاں ہم بھنور میں کھو بیٹھے

گھر بنانے کی آرزو ہم لوگ
حسرتِ بام و دَر میں کھو بیٹھے

بولتے شہر ہنستے یاروں کے!
دل کے اندھے کھنڈر میں کھو بیٹھے

یاد اِک دِل میں گُم ہوئی محسنؔ
عکس اِک چشمِ تر میں کھو بیٹھے

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم
ریزہ ریزہ مری سوچیں، وہ غزل جیسی تھی
کیسا موسم تھا وہ سانسوں کی نمو کا موسم
جھیل جیسی مری چاہت وہ کنول جیسی تھی

رات آنگن میں اُترتی تھی مگر یوں جیسے
اُس کی آنکھوں میں دہکتا ہوا کاجل پھیلے
صبح خوابوں میں نکھرتی تھی مہک کر جیسے
اُس کے سینے سے پھسلتا ہوا آنچل پھیلے

دل دھڑکتا تھا کہ جیسے کسی پگڈنڈی پر
اُس کی پازیب سے ٹوٹا ہوا گھنگھرو بولے
چونک اُٹھتی تھی سماعت کہ سفر میں جیسے
اُس کے سائے کی زباں میں کوئی جگنو بولے

اُس کی زُلفیں مری تسکیں کے بھنور بُنتی تھیں
جیسے کھُلتے ہوئے ریشم سے ہوَا چھوُ جائے
اُس کی پلکیں مرے اشکوں کے گُہر چنتی تھیں
بابِ تاثیر سے جس طرح دُعا چھو جائے

اُس کی آواز جگاتی تھی مقدّر میرا
جیسے معبد میں سویرے کا گجر بجتا ہے
جیسے برسات کی رِم جھم سے دھنک ٹوٹتی ہے
یا رحیلِ سرِ آغازِ سفر بجتا ہے!
اُس کے چہرے کی تمازت سے پگھلتے تھے حروف
جیسے کُہسار پہ کرنوں کے قبیلے اُتریں!
جیسے کھُل جائے خیالوں میں حنا کا موسم
جیسے خوشبو کی طرح رنگ نشیلے اُتریں

اُس کے قامت پہ جو سوچا تو سرِ شامِ وصال
دوشِ افکار پہ جذبوں کا سفر یاد آیا

وہ کہ مہتاب کی صورت تھی نگاہوں سے بلند
میں سمندر تھا مجھے مدّوجزر یاد آیا

نازِ نکہت کی اکائی تھی مگر محفل میں
اپنے ملبوس کے رنگوں میں وہ بٹ جاتی تھی
یوں تو قسمت کا ستارہ تھی مگر آخرِ شب
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں سمٹ جاتی تھی

اُس سے بچھڑا ہوں تو آنکھوں کا مقدّر ٹھہرا
دِل کے پاتال میں یخ بستہ لہو کا عالم
اپنی تنہائی کی پرچھائیں میں لپٹا ہوا جسم
جیسے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں سبُو کا عالم
اپنے سائے کی رفاقت پہ بھی کانپ اُٹھتا ہوں
شہر کے شہر پہ چھایا ہے وہ ہُو کا عالم
کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم؟

☆

درد سے بے نیاز ہونے دے
اے شبِ ہجر، کچھ تو سونے دے!

رخصت اے حبسِ شامِ ضبطِ جنُوں
رونے والوں کو کھل کے رونے دے

آج اِک سرخرُو سے مِلنا ہے!
آج آنکھیں لہو سے دھونے دے

کاش کوئی ہمیں بھی اشک اپنے
سانس کے تار میں پرونے دے

فصلِ یخ بستگی میں جینا ہے
پانیوں میں شرار بونے دے

کچھ تو سوچ اپنے حال پر محسنؔ
خود کو یوں رائیگاں نہ ہونے دے

☆

وہ لڑکی بھی ایک عجیب پہیلی تھی
پیاسے ہونٹ تھے آنکھ سمندر جیسی تھی

سورج اُس کو دیکھ کے پیلا پڑتا تھا
وہ سرما کی دھوپ میں ڈھل کر نکلی تھی

اُس کو اپنے سائے سے ڈر لگتا تھا
سوچ کے صحرا میں وہ تنہا ہرنی تھی

آتے جاتے موسم اُس کو ڈستے تھے
ہنستے ہنستے پلکوں سے رو پڑتی تھی

آدھی رات گنوا دیتی تھی چُپ رہ کر
آدھی رات کے چاند سے باتیں کرتی تھی

دُور سے اُجڑے مندر جیسا گھر اُس کا
وہ اپنے گھر میں اکلوتی دیوی تھی!

موم سے نازک جسم سحر کو دُکھتا تھا
دیئے جلا کر شب بھر آپ پگھلتی تھی!

تیز ہوَا کو روک کے اپنے آنچل پر
سوکھے پھول اکٹھے کرتی پھرتی تھی

سب پر ظاہر کر دیتی تھی بھید اپنا
سب سے اِک تصویر چھپائے رکھتی تھی

کل شب چکنا چُور تھا دل اُس کا
یا پھر پہلی بار وہ کھل کر روئی تھی

محسنؔ کیا جانے کیوں دھوپ سے بے پروا
وہ اپنے گھر کی دہلیز پہ بیٹھی تھی؟

☆

اور کیا ہیں اپنی بزم آرائیاں
مل کے بیٹھے بانٹ لیں تنہائیاں

حاصلِ خوشبؤ خزاں کی بانجھ رُت
شہرتوں کی انتہا --- رُسوائیاں

قُرب کا موسم بھی کیا موسم تھا جب
ناپتے تھے روح کی گہرائیاں!

ہجر کے لمحے بھی کیا لمحے ہیں اب
بجھتی جاتی ہیں تیری پرچھائیاں!

کون سی دلہن کا اجڑا ہے سہاگ؟
رو پڑی ہیں بے سبب شہنائیاں

یاد آئیں بچپنے کی سب ضدیں
جس طرح روٹھی ہوئی ہمسائیاں

اُس کی میری خواہشوں کا اتفاق
جیسے آپس میں ملیں ماں جائیاں

اُس کے خال و خد کی تشبیہیں نہ پوچھ
رنگ، رِم جھِم، روشنی، رعنائیاں

پوچھ مت محسنؔ اندھیرے ہجر کے
چاند سی کیا صورتیں گہنائیاں!!

کون یاد آتا ہے؟

جب تری کلائی میں
چوڑیاں کھنکتی ہیں
جب شریر پلکوں کی
پائلیں چھنکتی ہیں

جب فضا کا سنّاٹا
خود سے گنگناتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب تری نگاہوں میں
دونوں وقت ملتے ہیں
جب طلب کی راہوں میں
کھُل کے پھول کھلتے ہیں

جب خیال کا پنچھی
خوف سرسراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

اجنبی سی آہٹ پر
جب بھی دل دھڑک جائے
جب بھی گفتگو خود سے
حلق میں اٹک جائے

دل میں چور سا کوئی
جب بھی مسکراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب بھی گھُپ اندھیرے میں

بجلیاں چمکتی ہیں
جب سجے کواڑوں پر
آندھیاں لپکتی ہیں

جب رگوں میں انجانا
خوف سرسراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

خواہشوں کی بستی میں
واہموں کے میلے ہیں
بے کراں اُداسی میں
ہم سبھی اکیلے ہیں

خود سے دل دھڑکتا ہے
خود سے ڈوب جاتا ہے
کون یاد آتا ہے؟
کون یاد آتا ہے؟

ترکِ محبت کر بیٹھے ہم، ضبط محبت اور بھی ہے
ایک قیامت بیت چکی ہے، ایک قیامت اور بھی ہے

ہم نے اُسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا
ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی اِک صورت اور بھی ہے

ڈوبتا سوُرج دیکھ کے خوش ہو رہنا کس کو راس آیا
دن کا دکھ سہہ جانے والو! رات کی وحشت اور بھی ہے

صرف رتوں کے ساتھ بدلتے رہنے پر موقوف نہیں
اُس میں بچوں جیسی ضِد کرنے کی عادت اور بھی ہے

صدیوں بعد اُسے پھر دیکھا، دل نے پھر محسوس کیا
اور بھی گہری چوٹ لگی ہے، درد میں شدّت اور بھی ہے

میری بھیگتی پلکوں پر جب اُس نے دونوں ہاتھ رکھے
پھر یہ بھید کھُلا اِن اشکوں کی کچھ قیمت اور بھی ہے

اُس کو گنوا کر محسنؔ اُس کے درد کا قرض چکانا ہے
ایک اذّیت ماند پڑی ہے ایک اذّیت اور بھی ہے!

☆

اَب کے سفر میں تشنہ لبی نے، کیا بتلائیں، کیا کیا دیکھا؟
صحراؤں کی پیاس بجھاتے دریاؤں کو پیاسا دیکھا

شاید وہ بھی سرد رُتوں کے چاند سی قسمت لایا ہوگا
شہر کی بھِڑ میں اکثر جس کو ہم نے تنہا تنہا دیکھا

چارہ گروں کی قَید سے چھوُٹے، تعبیریں سب راکھ ہوئی ہیں
اب کے دل میں درد وہ اُترا، اب کے خواب ہی ایسا دیکھا

رات بہت بھٹکے ہم لے کر، آنکھوں کے خالی مشکیزے
رات فرات پہ پھر دشمن کے لشکریوں کا پہرا دیکھا

درد کا تاجر بانٹ رہا تھا گلیوں میں مجروح تبسّم
دِل کی چوٹ کوئی کیا جانے، زخم تو آنکھ میں گہرا دیکھا

جس کے لیے بدنام ہوئے ہم، آپ تو اُس سے مِل کر آئے
آپ نے اُس کو کیسا پایا ۔۔۔ آپ نے اُس کو کیسا دیکھا؟

کیسا شخص تھا زرد رُتوں کی بھیڑ میں جب بھی سامنے آیا
اُس کو دھوپ سا کھُلتا پایا، اُس کو پھول سی کھِلتا دیکھا

اَبر کی چادر تان کے جھیل میں ساتوں رنگ رچانے اُترا
موجۂ آب کی تہہ میں جانے چاند نے کس کا چہرہ دیکھا

تیرے بعد ہمارے حال کی ہر رُت آپ گواہی دے گی
ہر موسم نے اپنی آنکھ میں ایک ہی درد کا سایا دیکھا

محسنؔ بند کواڑ کے پیچھے ڈھونڈ رہی ہے، سہمی شمعیں
جیسے عُمر کے بعد ہوَا نے میرے گھر کا رستہ دیکھا

☆

آنکھ بے منظر، طلب بے آرزو ایسی نہ تھی
تجھ سے پہلے فصلِ خواہش بے نمو ایسی نہ تھی

حبس بھی آتا تھا، مرُجھاتی تھیں کلیاں بھی مگر
شہر کی آب و ہوا بے رنگ و بُو ایسی نہ تھی

اب تو ہر رستے سے پوچھوں تیری آہٹ کا سراغ
شوق تھا ملنے کا لیکن جستجو ایسی نہ تھی

یا مَیں تیرے خال و خد میں اس قدر کھویا نہ تھا
یا تری تصویر پہلے ہُو بہو ایسی نہ تھی

اَب کے دَر آئی قفس میں فصلِ گُل ورنہ کبھی
خستگیِ دامن کی، محتاجِ رَفُو ایسی نہ تھی

گُلبنِ یاقوت میں رقصِ شرر کیا دیکھتے؟
اُس کے لَب، جیسے وہ لب تھے، گفتگو ایسی نہ تھی!

اب کے محسنؔ کیا کہیں کیا ہو مآلِ سَیرِ گُل؟
خواہشِ آوارگی دِل میں ''کبھو'' ایسی نہ تھی

تو کیا ہوگا۔۔۔۔؟

تو کیا ہوگا؟
یہی ہوگا کہ تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گی
جیسے رنگ سے خوشبو
بدن سے ڈور سانسوں کی!
گرفتِ شام سے۔۔۔ناراض سورج کی کرن
اِک دم بچھڑ جائے!
کہ جیسے رات کے پچھلے پہر
خوابیدہ گلیوں'
نیم خوابیدہ گھروں میں زلزلہ آئے
تو اِک بستی اُجڑ جائے!
کہ جیسے دھوپ کے صحرا میں
تشنہ لب' بھٹکتے بھولتے بے گھر پرندوں
سخت جاں پیڑوں' بگولوں کے بھنور میں
اپنی چھاؤں بانٹتا بادل۔۔۔بچھڑ جائے!
تو کیا ہوگا؟
یہی ہوگا کہ۔۔۔میں تم سے جُدا ہو کر
کہیں تقسیم ہو جاؤں گا
لمحوں میں بکھر جاؤں گا
تنہائی کے اندھے غار کی تہہ میں اُتر جاؤں گا
تم سے روٹھ کر۔۔۔خود سے خفا ہو کر۔۔!!
تو کیا ہوگا؟
یہی ہوگا۔۔۔

نہ کوئی زلزلہ آئے گا
کوئی آنکھ نم ہوگی نہ سنّاٹا
بچھے گا شہر کی گلیوں میں
زلفیں کھول کر روئے گی تنہائی
نہ شہرِ دل فگاراں میں
کوئی محشر بپا ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟
تمھارے ساتھ
اپنے رنگ ہوں گے!

روشنی ہو گی۔۔۔!!

ستارے بانٹتے خوابوں کا
اپنا سلسلہ ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟
مگر سوچو، کسی تنہا سفر میں
جب مری آواز کے بے ربط رشتوں سے
تمھارا سامنا ہوگا۔۔۔!
تو کیا ہوگا؟

☆

دل کہاں، کربِ دِل آزاری کہاں؟
زلزلوں کی زد میں ہے کچّا مکاں!

لمحہ بھر کے ہجر نے پھیلا دیا۔۔۔!
اِک زمانہ تیرے میرے درمیاں

ناچتی ہے دُھوپ سی آنکھوں میں، جب
بارشوں میں بھیگتی ہیں لڑکیاں!

کل اُسے دیکھا نئے ملبوس ہیں ۔۔۔!
جیسے رنگوں کے بھنور میں کہکشاں

بادباں جب سے ہوَا کی زد میں ہیں
ساحلوں سے خوف کھائیں کشتیاں

جنگلوں کے پیڑ ہیں سہمے ہوئے
جگنوؤں کو ڈھونڈتی ہیں بجلیاں

نیند کیا ٹوٹی کہ دل مُرجھا گیا!
اُڑ گئیں خوابوں کی ساری تتلیاں

سوچنا محسنؔ سفر کے شور میں
گھر کا سنّاٹا تھا کتنا مہرباں!

☆

خواب آنکھوں میں چبھو کر دیکھوں
کاش میں بھی کبھی سو کر دیکھوں

شاید اُبھرے تری تصویر کہیں!
میں تری یاد میں رو کر دیکھوں

اِسی خواہش میں مٹا جاتا ہوں
تیرے پاؤں تری ٹھوکر دیکھوں

اشک ہیں وہم کی شبنم کہ لہُو؟
اپنی پلکیں تو بِھگو کر دیکھوں

کیسا لگتا ہے بچھڑ کر ملنا ۔۔۔؟
میں اچانک تجھے کھو کر دیکھوں؟

اَب کہاں اپنے گریباں کی بہار؟
تار میں زخم پرو کر دیکھوں

میرے ہونے سے نہ ہونا بہتر
تو جو چاہے، ترا ہو کر دیکھوں؟

روح کی گرد سے پہلے محسنؔ!
داغِ دامن کو تو دھو کر دیکھوں

میں تیرے شہر سے گذرا تو۔۔۔۔!

میں تیرے شہر سے گزرا تو کچھ عجب سا لگا!
ہر ایک موڑ پہ ناکام حسرتوں کا ہجوم
ہر ایک راہ میں مقروض خواہشوں کی قطار
ہر اِک قدم پہ شکستہ ندامتوں کے مزار
ہر ایک آنکھ میں مرگِ تعلقات کا سوگ
ہر اِک روش پہ رواں جستجوئے رزق میں لوگ
تمام لوگ وہی لوگ تھے کہ جن سے کبھی
نظر چُرا کے گزرتا تھا میں ہوَا کی طرح
تمام سائے مری آنکھ میں بکھرتے رہے
کسی قریب کی بستی کے آشنا کی طرح
میں تیرے شہر سے گزرا تو کچھ عجب سا لگا
کہ جیسے شہر وہی ہے، وہی نہیں ہے مگر
کوئی گلی، کوئی منظر، کسی روش کا مزاج
جبینِ خاک میں پیوست ہیں فراق کے داغ
فضائے زرد کے سائے میں احتیاط کے ساتھ
اُجاڑ بام پہ جلتا ہوا ۔۔۔ اُداس چراغ
ہوَا سے پوچھ رہا تھا ۔۔۔ اِک اجنبی کی طرح
مرے سفر کا سبب، تیرے ہمسفر کا سُراغ!

ہر اِک سوال مجھے کتنا بے سبب سا لگا
میں تیرے شہر سے گزرا تو کچھ عجب سا لگا

☆

بکھرتا جسم مِری جاں کتاب کیا ہوگا؟
تمھارے نام سے اب انتساب کیا ہوگا؟

تم اپنی نیند بھرے شہر میں تلاش کرو!
جو آنکھ راکھ ہوئی اُس میں خواب کیا ہوگا؟

وہ میری تُہمتیں اپنے بدن پہ کیوں اوڑھے
مرے گناہ کا اُس کو ثواب کیا ہوگا؟

ہوَا میں اُس کی مسافت، زمیں پہ میرا سفر
وہ شہسوار مِرا ہمرکاب کیا ہوگا؟

اُسے گنوا کے میں اب کس کے خدوخال پڑھوں
اب اُس سے بڑھ کے مرا انتخاب کیا ہوگا؟

ملے گا ڈوبنے والوں کو اجر، جو بھی ملے!
سمندروں کا مگر احتساب کیا ہوگا؟

ہمارے بعد ہمیں یاد کیوں کرے گا کوئی؟
ہوا کا نقش سرِ سطحِ آب کیا ہوگا؟

بکھرتے ٹوٹتے محسنؔ کو اور کیا کہنا
خراب اور وہ خانہ خراب کیا ہوگا؟

☆

ختم ہوئے پیغام سلام
اُس کے ہجر کے نام سلام!

لمحۂ بے انجام --- دُعا!
دِیدۂ بے آرام --- سلام

ماند پڑا ہر یاد کا چاند
اے گردِ ایّام --- سلام

تیری مرضی دیکھ نہ دیکھ
رہگیروں کا کام، سلام

کہنا غزلوں کو مکتوب
لکھنا اُس کے نام -- سلام

جاگ مِری صُبحِ اعزاز
کرنے آئی شام سلام

لُٹتے شہر عذاب بخیر!
بجھتے کوچہ و بام سلام!!

خواہشِ تسکیں، عُمر دراز
حسرتِ درد انجام، سلام

محسنؔ اُس کے طور اَخیر
ناز، انداز، خرام، سلام

ابھی کیا کہیں----؟

کبھی لب ہلیں گے تو پوچھنا!

ابھی کیا کہیں -- ابھی کیا سُنیں؟
کہ سَرِ فصیلِ سُکوتِ جاں
کفِ روز و شب پہ شرر نما
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا؟

سرِ شہرِ عہدِ وصالِ دل
وہ جو نکہتوں کا ہجوم تھا

اُسے دستِ موجِ فراق نے
تہہِ خاک کب سے مِلا دیا؟
کبھی گُل کھِلیں گے تو پوچھنا!

ابھی کیا کہیں ۔۔ ابھی کیا سُنیں؟
یونہی خواہشوں کے فشار میں
کبھی بے سبب ۔۔ کبھی بے خلل
کہاں، کون کس سے بچھڑ گیا؟
کسے، کس نے کیسے گنوا دیا؟
کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا۔!

☆

چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں
تمھاری آنکھ کا احوال، خواب پوچھتے ہیں

کہاں کہاں ہوئے روشن ہمارے بعد چراغ؟
سِتارے دیدۂ تر سے حساب پوچھتے ہیں

وہ تشنہ لَب بھی عجب ہیں جو مَوجِ صحرا سے
سُراغِ حَبس، مزاجِ سراب پوچھتے ہیں

کہاں بسی ہیں وہ یادیں، اُجاڑنا ہے جنھیں؟
دِلوں کی بانجھ زمیں سے عذاب پوچھتے ہیں

برس پڑیں تری آنکھیں تو پھر یہ بھید کھُلا
سوال خود سے بھی اپنا جواب پوچھتے ہیں

ہوَا کی ہمسفری سے اب اور کیا حاصل؟
بس اپنے شہر کو خانہ خراب پوچھتے ہیں

جو بے نیاز ہیں خود اپنے حُسن سے محسنؔ
کہاں وہ مجھ سے مِرا اِنتخاب پوچھتے ہیں؟

☆

کہہ گئی چشمِ تر کی حیرانی
زندگی ہے فرات کا پانی
مجھ سے نفرت نہ کر کہ ٹھہری ہے
تیرا ملبوس۔ میری عُریانی
وسعتِ عقل پر نہ حیراں ہو!
دامنِ عقل میں ہے نادانی
ہنستی بستی خدائی کے خالق!
دیکھ اُجڑے گھروں کی ویرانی!
چاندنی کے اُجاڑ صحرا میں
رقص کرتی ہے رات کی رانی
موجزن دل میں ہے خیال ترا
جیسے دریا کہ تہہ میں طُغیانی
بادشاہت سے قیمتی محسنؔ
بارگاہِ علیؑ کی دربانی!

☆

روشنی جب مِرے مکان میں ہو!
کیوں اندھیرا کسی کے دھیان میں ہو؟

اُس کی رفتار کا مزاج نہ پوچھ
جیسے تازہ غزل اُڑان میں ہو!

حَبس میں کشتیاں لرزتی ہیں!
کوئی سازش نہ بادبان میں ہو؟

موت کی آہٹوں سے کون ڈرے
زندگی جب تِری اَمان میں ہو!

کیوں نہ پہنے سیہ لباس زمیں
چاند جب دفن آسمان میں ہو

یوں تِری یاد دِل میں ہے جیسے
تیر ٹوٹی ہوئی کمان میں ہو!

تم پہ سوچے نہ کسلیئے محسنؔ؟
تم یقیں ہو مگر گُمان میں ہو!

سُنا ہے زمیں پر۰۰۰۰۰!

سُنا ہے
زمیں پر وہی لوگ ملتے ہیں۔۔۔جن کو
کبھی آسمانوں کے اُس پار
رُوحوں کے میلے میں
اِک دوسرے کی محبت ملی ہو۔۔۔!
مگر تم۔۔۔
کہ میرے لیے نفرتوں کے اندھیرے میں
ہنستی ہوئی روشنی ہو
لہو میں رچی!
رگوں میں بسی ہو!!
ہمیشہ سُکوتِ شبِ غم میں آوازِ جاں بن کے
چاروں طرف گونجتی ہو!
اگر آسمانوں کے اُس پار
رُوحوں کے میلے میں بھی مِل چُکی ہو!
تو پھر اس زمیں پر
مری چاہتوں کے کھلے موسموں سے گریزاں
مری دُھوپ چھاؤں سے
کیوں اجنبی ہو؟

کتابوں میں لکھّی ہوئی۔۔۔
اور کانوں سُنی۔۔۔
ساری باتیں غلط ہیں۔۔۔؟
کہ تُم ''دوسری'' ہو۔۔۔؟؟

☆

سُورج کا خوف دِل سے بھُلا دینا چاہیے
اَب اپنا سَر سناں پہ سَجا دینا چاہیے

یارو اِسی کے دَم سے ہیں مقتل کی رونقیں
قاتل کو زندگی کی دُعا دینا چاہیے

صحرا سجا رہا ہے بگولوں کا اِک جلوس
سائے کو راستے میں بچھا دینا چاہیے

شب خوُں نہ مار دے کہیں لشکر ہوَاؤں کا
شاخوں سے پنچھیوں کو اُڑا دینا چاہیے

یہ کیا کہ دوسروں کو سُنائیں حدیثِ غم
اِک روز خود کو ہنس کے رُلا دینا چاہیے

کرنوں کی بھیک مانگتی پھرتی ہے خلقِ شہر
اب وقت ہے کہ گھر کو جلا دینا چاہیے

محسنؔ طلوُعِ اشک دلیلِ سحر بھی ہے
شب کٹ گئی، چراغ بجھا دینا چاہیے

سفر جاری رکھو اپنا

(خالد شریف کے لیے ایک ادھوری نظم)

یہ شیشے کے غلافوں میں دھڑکتی، سوچتی آنکھیں
نجانے کتنے پُراَسرار دریاؤں کی گہرائی میں

بکھرے موتیوں کی آب سے نَم ہیں
پہاڑوں سے اُترتی کُہر میں لپٹا ہوا
یہ سانولا چہرہ!
نجانے کتنی کُجلائی ہوئی صبحوں کے سینے میں
مچلتی خواہشوں کا آئینہ بن کر
دمکتا ہے!
یہ چہرہ، کرب کے موسم کی بجھتی دوپہر میں بھی
چمکتا ہے!!
یہ لب یہ تشنگی کی موج میں بھیگے ہوئے
''مرجاں''
شُعاعِ حرف جن سے پھوٹتی ہے سُرخرو ہو کر!
یہ لب جب شعلۂ آواز کی حدّت میں تپ کر مُسکراتے ہیں
تو نادیدہ سرابوں کی جبیں پر
بے طلب کتنے ستارے جھلملاتے ہیں
یہ لب جب مسکراتے ہیں
تو پل بھر کو سکوتِ گنبدِ احساس
خود سے گونج اُٹھتا ہے!!
یہ پیکر!
یہ حوادث کے مقابل بھی کشیدہ قامت و خوش پیرہن، پیکر
کہ جیسے بارشوں کے رنگ برساتی ہوئی رُت میں
خرامِ اَبر پر قوسِ قزح نے
اپنی انگڑائی چھڑک دی ہو!

کوئی آواز!
جب تنہا مسافت میں مرے ہمراہ چلتی ہے
کوئی پرچھائیں
جب میری بجھی آنکھوں میں چُبھتے اَشک چُنتی ہے
تو لمحہ بھر کو رُک کر سوچتا ہوں مَیں
کہ اس تنہا مسافت میں
کسی صحرا میں سائے بانٹتے اشجار کی خوشبُو ہے
یا تم ہو۔۔۔؟
یہ تم ہو یا تمنّا کے سفر میں
حوصلوں کا استعارہ ہے؟
یہ تم ہو یا طلب کی رہگذر میں
گُم ستارہ ہے؟

ہوا تُم سے اُلجھتی ہے
کہ تم اپنی ہتھیلی پر مشقّت کا ''دِیا'' بجھنے نہیں دیتے!
حریفانِ قلم۔۔۔نالاں
کہ تم اُن کی کسی سازش پہ کیوں برہم نہیں ہوتے؟
ادب کے تاجرانِ حرص پیشہ سر بہ زانو ہیں
کہ تم اہلِ ہُنر کے ریزہ ریزہ خواب
اپنی جاگتی پلکوں سے چُن کر
سانس کے ریشم میں
کیوں اِتنی مشقّت سے پروتے ہو
مگر جاناں، تمھیں کیا؟
تم سفر جاری رکھو اپنا،
سفر میں سنگباری سے لہو ہونا
جگر کے زخم سے رِستے لہو سے آبلے دھونا۔۔۔
اَزل سے ہم غریبانِ سفر کی اِک روایت ہے!
تمھیں کیا تُم سفر جاری رکھو اپنا۔۔۔!
تمھاری آبلہ پائی کا عنواں ''نارسائی'' ہے
تمھیں آتا ہے
دُشمن کے لیے وقفِ دُعا رہنا
اندھیروں سے اُلجھنا۔۔سنگباری کی رُتوں میں ''بے قبا'' رہنا
تمہیں آتا ہے۔۔۔یوں بھی زخم کھا کر مُسکرا دینا
تمھیں آتا ہے
گردِ روز و شب سے ''ماورا'' رہنا